بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سِتارگانِ رسالت
رضوان اللہ علیہم اجمعین
ارشادات
عاشقِ رسولؐ، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم،
فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ
حضرت خواجہ شاہ محمد افضل
قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری
المعروف افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ
پبلشرز:
حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ
ملنے کا پتہ:- ۶۸-۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستارگانِ رسالت

رضوان اللہ علیہم اجمعین

ارشادات

عاشقِ رسول، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم
فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری
المعروف افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ

پبلشرز:
حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ
ملنے کا پتہ:- ۶۸-۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸، کراچی

نام کتاب ــــــــــــــــ سِتارگانِ رسالت

ترتیب و پیشکش ــــــــــــ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

ناشر ــــــــــــــــ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

تاریخِ اشاعت	تعداد
صفر المظفر ۱۴۲۴ھ اپریل ۲۰۰۳ء	۴۰۰

مطبع

الافضل گرافکس

۱۶۶- ایم اے جناح روڈ- کراچی- فون ۲۶۲۹۹۰۵

e.mail:arfeen@cyber.net.pk

فہرست

مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پُکارا، تُو نے ہماری پُکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلۂ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صَلیّ اللہ عَلیہِ وآلہٖ وسلّم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تُو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنّان و منّان و دیّان ہے، ذوالجلال والاکرام ہے اور عَلیٰ کُلِّ شَیٍٔ قَدِیرٌ اور کُنْ فَیَکُوْن کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے "سِتارگانِ رسالت" کے عنوان سے اس موضوع پر اپنے مُرشد شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم، فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدّی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ شاہ محُمّد افضل قادری، چشتی (صابری، نظامی)، قلندری المعروف "افضل سرکار" رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہِ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔

اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مُرادیں پوری فرما۔ اُن کو دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اور پنجتن پاکؑ کی محبّت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کرلے بلکہ اس میں ایسا ذوق وشوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالمِ حق کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے کلام پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت کرے تیری دی ہوئی توفیق سے۔ محض اس نیّت سے کہ تُو اور تیرے حبیبِ پاک (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) اُس سے راضی ہو جائیں۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

اظہارِ تشکّر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنھوں نے دامے، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل وکرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلائے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مُفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر وفکر اور نماز سے غفلت، سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانیؔ

گُزارش

اس تالیف میں اگر کہیں زیر، زبر یا کتابت کی کوئی غلطی نظر آئے تو اُسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجئے گا۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

۳۰ ستمبر ۱۹۹۶ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

امّا بعد۔ عزیزانِ من !

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بیماری کے بارے میں دو روایتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ ۸ اگست ۶۳۴ء کو دن ٹھنڈا تھا، آپ نے غسل کیا اور آپ کو ٹھنڈ لگ گئی ۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک سال پہلے آپ نے دو اور صحابہ، لیعنی حارث بن کلدہ اور عطب بن اُسید کے ساتھ کھانا کھایا تھا، جس میں زہر ملا ہوا تھا، جس کا اثر ایک سال بعد ہونا تھا۔ حضرت حارث بن کلدہ اور عطب بن اُسید کا انتقال بھی اسی دن ہوا جس دن حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ فوت ہوئے تھے۔

حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ، کو سخت بخار ہوگیا اور آپ بستر
پہ پڑے رہے۔ بیماری بڑھ گئی۔ اور جب آپ نے محسوس کیا کہ آخری
وقت آن پہنچا، تو آپ نے پوچھا کہ آپ نے خلیفہ کی حیثیت سے
بیت المال سے کتنا الاؤنس حاصل کیا ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ رقم
چھ ہزار درہم ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ آپ کی ملکیت میں جو پلاٹ
ہے، اسے بیچا جائے اور اس سے ملنے والی رقم سے چھ ہزار درہم
بیت المال کو ادا کر دیئے جائیں۔ پھر آپ نے اس مال کا حساب کیا
جو آپ نے خلیفہ بننے کے بعد سے جمع کیا تھا۔ اس مال میں ایک غلام،
ایک اونٹ اور کچھ کپڑے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ چیزیں نئے خلیفہ
کے حوالہ کی جائیں۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی وصیّت کے مطابق
چھ ہزار درہم اور دوسری چیزیں نئے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ،
کے حوالہ کی گئیں تو نئے خلیفہ رو پڑے، اور کہا: "اے ابو بکر! خدا تم
پر رحم کرے۔ تم نے اپنے جانشین کا کام بہت مشکل کر دیا۔"

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، نے کچھ مال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے
چھوڑا اس وقت، جبکہ وہ بستر مرگ پہ تھے تو انہوں نے حکم دیا کہ
میرا مال دو بھائیوں اور تین بہنوں میں اسلامی قانون کے مطابق تقسیم
کر دیا جائے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ہم تو دو بہنیں ہیں،

تیسری کون ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "میری بیوی حبیبہ حاملہ ہے، اور مجھے لگتا ہے کہ اُسے لڑکی ہوگی"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام اُمِّ کلثوم رکھا گیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کی وصیّت کے مطابق جائیداد بھائی بہنوں میں تقسیم کردی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کپڑے کے کتنے ٹکڑے استعمال کئے گئے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ تین ٹکڑے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کے کفن میں بھی تین ٹکڑے استعمال کئے جائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس وقت جو دو کپڑے وہ پہنے ہوئے ہیں انہیں دھو کر کفن میں استعمال کیا جائے اور تیسرا ٹکڑا خرید جائے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ہم اتنے غریب نہیں کہ ہم کفن کے لئے تین ٹکڑے کپڑے کے بھی نہ خرید سکیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "نہیں، نیا کپڑا مردے سے زیادہ زندہ کے لئے کارآمد ہے۔ مُردے پر تو صرف اس لئے کپڑا ڈالا جاتا ہے کہ وہ خون اور پیپ چوس لے۔ تو اس لئے نیا کپڑا ضروری نہیں"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن وصال فرمایا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ پیر کے دن ۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، نے پوچھا۔ آج کیا دن ہے ؟ عرض کی۔ پیر کا دن ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ وہ آج ہی کے دن وفات پائیں گے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ میں اگر آج انتقال کر گیا، تو مجھے آج ہی دفنا دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ، بسترِ مرگ پر تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نوحہ کر رہی تھیں۔

"دولت انسان کے کسی کام نہیں آتی جس دن موت کی
کھڑکھڑاہٹ اس کے گلے میں ہو اور اس سے اس کا
سینہ بند ہو رہا ہو"۔

اس پر حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ، نے مُنہ سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا:

"ایسا نہیں ہے۔ کہو کہ موت کی تکلیف برحق ہے،
اے انسان تو اس سے ہمیشہ دُور بھاگتا ہے"۔

آپ پر ذرا دیر کے لئے بے ہوشی طاری ہوئی۔ پھر ہوش میں آگئے۔ اور قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"اے اللہ! مجھے ایک سچے مسلمان کی موت دے اور
مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جن کا مقام بلند ہے اور

جو نیک ہیں۔"

قرآن پاک کے یہ الفاظ آپ کی زبان پہ تھے کہ آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

آپ کی وفات مغرب اور عشاء کے درمیان ہوئی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ بالکل یہی عمر شریف حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی جب آپ نے دنیا سے پردہ فرمایا تھا۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کو اسی رات حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ زندگی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی دوست تھے، اور انتقال کے بعد بھی آپ کو اپنے آقا کے پہلو میں آرام کرنے کا شرف ملا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت آپ کے والد ابو قحافہ مکہ شریف میں تھے۔ روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت مکہ مکرمہ میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے، جس پر ابو قحافہ نے کہا کہ یہ کسی آفت کی نشانی ہے۔ جلد ہی حضرت ابو بکر کے انتقال کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی۔ ابو قحافہ نے اپنے فرزند کی وفات پر ماتم کیا اور چھ ماہ بعد خود بھی ستانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

اپنی موت کو قریب محسوس کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے چاہا کہ اپنا جانشین نامزد کریں، تاکہ وفات کے بعد مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی۔

حضرت عبدالرحمٰن نے اس نامزدگی پر اتفاق کیا۔ کچھ اور صحابہ کرام سے بھی مشورہ کیا گیا۔ سب کی عام رائے یہی تھی کہ خلیفہ کے لئے حضرت عمر بہترین آدمی ہیں۔

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو اس وقت وہاں موجود تھے، اُٹھے اور فرمایا کہ وہ حضرت عمر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ کی اس جرأت پر بہت متاثر ہوئے کہ وہ (یعنی حضرت علی) اپنے لئے زور نہیں دے رہے ہیں، بلکہ وہ اُمّہ کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے علی! بے شک تم شہزادے ہو، اس لفظ کے بہترین مفہوم میں، کیونکہ دوسرے تو صرف آدمی ہیں"۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کو طلب کیا اور انہیں آگاہ کیا کہ انہیں ان کا جانشین نامزد کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہیں اس عہدے کی تمنّا نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نے فرمایا۔

"لیکن عہدے کو تمہاری ضرورت ہے۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ

سے دعا کی تھی کہ اپنے جانشین کے انتخاب میں وہ میری صحیح رہنمائی فرمائے اور میرا انتخاب مسلمانوں کی یک جہتی اور ان کے اتحاد کے لئے بنیادی عنصر ہے"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نے اس سلسلہ میں ایک فرمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو لکھوایا جو درج ذیل ہے۔

"اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے۔ یہ ابوبکر بن ابو قحافہ کی طرف سے، زندگی کے آخری لمحات میں، آخری وصیت اور فرمان ہے... میں عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین نامزد کرتا ہوں۔ اس لئے اس کی بات کو سنو، اور اس کا حکم مانو، اگر وہ حق پر ہے، تو اس کے عمل کی تصدیق کرو۔ میری نیّت صحیح ہے، لیکن میں مستقبل کے نتائج کو نہیں دیکھ سکتا۔ البتّہ جو بدی کریں گے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے، خدا حافظ اللہ کی رحمت ہمیشہ تم پر سایہ فگن رہے"۔

سب کی رضامندی لینے کے بعد حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ، بستر پر دراز ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی:

"اے پروردگار! میں نے یہ فرمان لوگوں کی بہتری کے لئے جاری کیا ہے تاکہ ان میں نفاق پیدا نہ ہو۔ میری نیت کیا ہے تو اچھی طرح جانتا ہے۔ مَیں نے بہترین چناؤ کے لئے

کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اے اللہ! میں مسلمانوں کو تمہاری پناہ میں دیتا ہوں۔ اے اللہ! ان کے حکمران کو سیدھے راستے پر چلا۔ اے میرے خدا، میرے جانشین کو سارے حکمرانوں سے زیادہ پارسا بنا۔"

پھر اپنے جانشین عمر رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرے غم میں اللہ کے فرائض سے غافل نہ ہونا۔ تم نے دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر کیا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم سے بڑھ کر کوئی غم نہیں عالم انسان کے لئے۔ بے شک اگر میں اس غم میں اللہ اور اس کے رسول کی راہ پر چلنے میں کوتاہی کرتا۔ اور اگر میں ذرا سی بھی کمزوری دکھاتا اللہ کے احکام کو بجالانے میں، تو قسم ہے اللہ کی وہ ہم پر عذاب نازل کرنے کی صورت میں مجھے سزا دیتا۔ مجھے امید ہے کہ تم تمام مشکلات میں اپنا فرض پورا کرو گے۔ اللہ کی رحمت ہو تم پر۔"

جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، تو وہ فوراً ان کے گھر پہنچے، اور گھر کے دروازے پر کھڑے

ہو کر خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا:

"اے ابو بکر! اللہ آپ پہ رحم فرمائے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ترین ساتھی اور دوست تھے۔ ان کے لئے خوشی کا باعث تھے۔ آپ ان کے محرم راز تھے۔ اور آپ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ پہلے شخص تھے جو ایمان لائے آپ کا ایمان خالص ترین تھا اور اسلام پر آپ کا ایمان غیر متزلزل تھا۔ آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور اس کے دین کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والے تھے۔ آپ رسول اللہ کا سب سے زیادہ ساتھ دینے والے تھے اور اسلام کے لئے آپ کی محبت سب سے زیادہ تھی۔ صحابہ کے بہترین ساتھی تھے۔ آپ بہت سی اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔ کارناموں میں سب سے بڑھ کر، اور مقام میں سب سے اعلیٰ، آپ سچائی، اخلاق اور کرم کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑھ کر مشابہ تھے۔ آپ کا مقام محترم اور درجہ بلند تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ آپ پر اعتماد تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم دے۔"

اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مزید فرمایا :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ ان کے آنکھ اور کان تھے ۔ آپ نے ان کے پیغام کی سچائی کی اس وقت تصدیق کی تھی، جب ہر ایک نے انہیں جھٹلایا تھا ۔ اس لئے آپ کو اللہ کی طرف سے صدّیق کہا گیا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ "وہ جو حق لایا، اور وہ جس نے حق کی تصدیق کی"۔ وہ جو حق لایا، وہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم تھے" اور جس نے اس کی تصدیق کی، وہ ابو بکر تھے ۔ آپ نے ان کا اس وقت ساتھ دیا جب اوروں نے انہیں چھوڑ دیا تھا ۔ اور آپ نے بُرے وقتوں میں ان کا مضبوطی سے ساتھ دیا ۔ مصیبت کے دنوں میں آپ ان کے بہترین ساتھی تھے ۔ آپ دونوں میں سے دوسرے تھے اور یارِ غار تھے ۔ آپ وہ ہیں، جن کو اللہ نے دل کا سکون بخشا ہے اور آپ امت کے خلیفہ تھے ۔ آپ نے خلافت کی ذمہ داریاں بہترین طریقہ سے انجام دیں ۔ ایک ایسے وقت میں جب لوگ مرتد ہو رہے تھے، آپ نے اللہ کے احکام کی پابندی پر اتنی سختی کی کہ اس سے پہلے کسی خلیفہ یا نبی نے نہیں کی ۔

آپ نے اس وقت تیزی دکھائی جب آپ کے ساتھی سست پڑ گئے تھے اور آپ نے اس وقت بہادری کا ثبوت دیا جب وہ کمزور تھے ۔ آپ نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی پیروی کی جب دوسرے

اس سے دُور ہو رہے تھے۔ آپ ان کے بغیر کسی اختلاف کے، سچے خلیفہ تھے حالانکہ اس سے ان لوگوں کو غم ہوا جو جلتے تھے۔ آپ سختی سے قائم رہے، جب دوسرے گمراہ ہوئے۔ آپ انوارِ الٰہی میں داخل ہوئے جبکہ اور لوگ پیچھے رہ گئے۔ بعد میں جب وہ آپ کے پیچھے آئے تو انہیں اپنی منزل ملی۔ آپ کی آواز دھیمی تھی، لیکن سب سے زیادہ نمایاں۔ آپ کی گفتگو بے مثال اور آپ کی دلیل سچی۔ آپ کی خاموشی طویل لیکن گفتگو بلیغ تھی۔ لوگوں میں سب سے بہادر اور معاملات کے بارے میں بہتر جاننے والے۔ آپ کی چال باوقار تھی۔

اللہ کی قسم، آپ مسلمانوں کے لیڈر تھے۔ آپ اس وقت دین کی طرف آئے، جب دوسرے اس سے دور تھے۔ بے شک آپ مومنوں کے لئے ایک شفیق باپ کی طرح تھے، اور شفقت اور محبّت نے انہیں آپ کی اولاد بنا دیا۔ آپ نے وہ بھاری بوجھ اٹھایا جو وہ نہیں اٹھا سکتے تھے، اور آپ نے وہ سب کچھ کیا جو وہ نہیں کر پائے۔ آپ نے وہ سب کچھ محفوظ کر لیا، جو وہ تباہ کر چکے تھے، اور آپ نے انہیں ان چیزوں کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتے تھے۔

آپ نے ان لوگوں کی مشکلات کو حل کیا جو انصاف کے طلب گار تھے، اس لئے وہ رہنمائی کے لئے آپ سے رجوع کرتے تھے اور انہوں نے آپ سے وہ کچھ پایا جو ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ کفار کے

لئے آپ خوفناک سزا تھے، بھڑکتی ہوئی آگ تھے، اور ایمان والوں کے لئے مہربانی، محبّت اور تحفظ کا باعث۔

آپ پارسائی کی فضاؤں میں اُڑے، عمدہ انعام پایا اور عظمت پائی۔ آپ کی دلیل کبھی کمزور نہ تھی اور آپ کا فیصلہ کبھی ناقص نہ تھا۔ آپ پر کبھی بزدلی طاری نہ ہوئی۔ اور آپ کا دل کبھی بد اور گمراہ نہ ہوا۔ آپ سخت مصائب اور طوفانی ہواؤں کے سامنے سخت چٹان کی مانند تھے۔ آپ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ فیّاض تھے، دوستی اور مال دینے میں۔ اور پھر بقول آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بدن میں کمزور لیکن احکامِ الٰہی کے نفاذ میں سخت اور مضبوط۔ آپ مزاجاً گرم اور اللہ کی نظر میں باوقار اور لوگوں کی نظر میں عظیم تھے اور وہ آپ کی عزت کرتے تھے۔ کوئی بھی نہ تو آپ کو آنکھ مار سکتا تھا اور نہ آپ پر طنز کر سکتا تھا کمزور غریب آپ کے پاس مضبوط ہوتے اور آپ ان کے حقوق کی حفاظت کرتے اور مضبوط آپ کے پاس کمزور ہو جاتے، اور آپ ان سے دوسروں کے حقوق لے کر دیتے۔ اس معاملے میں دُور نزدیک سب برابر تھے۔ جو اللہ سے زیادہ ڈرتے تھے اور اس کو مانتے تھے، وہ آپ سے زیادہ قریب تھے۔ آپ وقار، سچائی، صدق اور سخاوت میں یکتا تھے۔ آپ کی زبان سے نکلا ہوا لفظ لازمی اور حتمی ہوتا تھا۔ آپ کا حکم نرم اور محتاط اور آپ کا فیصلہ دانشمندانہ اور اٹل ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے

باطل کو بے دخل کیا اور حق کی راہ ہموار کی۔ مشکلات پر قابو پایا اور بدی اور مخالفت کی آگ کو بجھا دیا۔

آپ نے دین میں اعتدال قائم کیا، ایمان کو مضبوطی دی، اسلام اور مسلمانوں کو استحکام بخشا اور اللہ کے احکامات کو فتحیاب کیا۔ اگرچہ یہ کفار کے لئے غم کا باعث تھا، لیکن میں حلفاً کہتا ہوں کہ آپ نے اس میں بڑی کامیابی حاصل کی اور ان کو بڑی مشکل میں ڈال دیا جو آپ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان اچھے کاموں کے بدلے آپ کو اعلیٰ مقام عطا ہوا۔

آپ ہمارے غم کرنے سے بہت بلند ہیں۔ آپ کا ماتم آسمانوں پہ بہت زیادہ ہے۔ آپ کے وصال نے لوگوں کی کمر توڑ دی اور ہم یہ آیت پڑھتے ہیں کہ:-

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ؕ

البتہ ہم اللہ کی رضا کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے احکام کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی وفات سب سے بڑی آفت ہے۔

آپ دین اور مومنین کے لئے عزّت، تحفظ اور ایمان کی حفاظت کا باعث تھے اور مومنوں کے لئے ایک جماعت کی طرح تھے۔ ایک قلعہ اور جائے پناہ۔ اور منافقوں کے لئے آپ بہت سخت

اور ایک دہشت تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بدلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب عطا فرمائے۔ آپ کی کوششوں کے ثمرات سے ہمیں محروم نہ رکھے اور آپ کے بعد ہمیں گمراہ نہ ہونے دے۔ ہم ایک بار پھر کہتے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
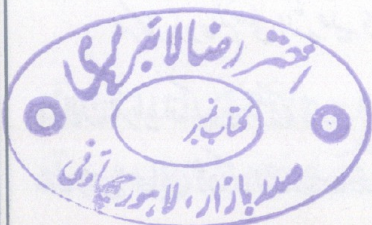
حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ
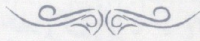
ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی، قلندری)

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِهِ الْكَرِیْمِ   نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

امّا بعد

عزیزانِ من ! پہلے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے، ان کا کیا مرتبہ ہے۔ اچھی طرح جان لے کہ بڑے سے بڑا ولی، قطب، غوث، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ پھر ان صحابیوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دس صحابیوں کے متعلق تو اعلان فرمایا تھا کہ یہ جنتی ہیں۔ ان کو عشرہ مبشرہ بھی کہتے ہیں، یعنی وہ دس صحابی جن کو بشارت دی گئی۔ ان میں چار صحابہ کو سب پہ

فضیلت حاصل ہے۔ یہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور مولائے کائنات سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد یہ اسی ترتیب کے ساتھ، یکے بعد دیگرے، خلیفۃ المؤمنین مقرر ہوئے۔ ان کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے شریعتِ مقدّسہ کے احکام اور قوانین کے مطابق حکومت کی۔ ان میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ میں اسلامی حکومت کئی لاکھ مربع میل پر قائم ہو چکی تھی۔ جو مُشکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیش آئی، اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ہی بے شمار منافق تھے۔ یہودی، عیسائی، بُت پرست، مُشرک، اور دہریئے۔ بظاہر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے، لیکن اندر سے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات پر ان کو ایک زبرست موقع مل گیا۔ خلیفۃ المومنین کا انتخاب کرنا آسان نہیں تھا۔ اور ایسے موقع

پر سخت اختلاف ہوتے تھے۔ جنگ و جدال ہوتی تھی اور قوم و ملک کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا تھا۔

ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک رکھا ہوا تھا، اور ادھر دشمنوں نے اپنی ذلیل حرکات تیز کر دیں۔ صحابہ کرام کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تو انہوں نے فوراً ہی اس طرف توجہ دی۔ یہ قصہ لمبا ہے۔

انصار جو تھے ان کو اپنی قربانیوں پہ ناز تھا۔ مہاجر جو تھے وہ اپنی قربانیوں پہ نازاں تھے۔ اہلِ قریش جو تھے وہ کسی اور قبیلے کے آدمی کو اپنا سردار ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ تھا پس منظر۔ بہرحال سب فریق متفق ہو گئے اور چناؤ کے وقت سب نے اتفاق رائے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین چُنا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بہت محبت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ ایک بہت بڑے امیر کبیر تاجر تھے، اور مکہ میں ان کی بڑی عزت تھی۔ یہ قریش قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے یہ بت پرستی سے نفرت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے تھے لوگوں کی مدد کرتے تھے، اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔

ہر صحابی کی بڑی بڑی قربانیاں تھیں۔ مگر کوئی بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ پہنچا۔ جب کبھی جنگ کا موقع آتا تو پہلے اعلان کیا جاتا تھا۔ جس پر امیر کبیر لوگ جہاد کے لئے مال پیش کرتے تھے۔

ایک دن حضرت عمر کے دل میں خیال آیا اور آپ اپنا نصف مال لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مقابلہ جیت جائیں گے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے پاس جتنا مال تھا وہ سب پیش کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عمر! گھر میں کیا چھوڑ کے آئے ہو؟" عرض کی "نصف مال گھر میں چھوڑ کے آیا ہوں اور نصف مال پیشِ خدمت ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے صدیق! گھر میں کیا چھوڑ کے آئے ہو؟" عرض کی "جو کچھ تھا، پیشِ خدمت ہے۔ گھر میں صرف اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں"۔

اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "آئندہ کبھی صدیق سے مقابلہ نہیں کروں گا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا "ہم نے سب کے احسان کے بدلے چکا دیئے، مگر صدیق کے احسان باقی ہیں اور ان

کا بدلہ اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ چکا دیں گے۔"

پھر فرمایا "کسی کے مال سے اسلام کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا صدیق کے مال سے۔"

اب آپ اسی سے اندازہ لگالیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کس حد تک فنافی الرسول تھے۔ صدیق ان کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، تو انہوں نے فوراً بغیر کسی سوچ کے، نہایت زوردار انداز میں تصدیق کی۔ یہ ایسا انداز تھا کہ دوسرے لوگ حیران تھے کہ انہوں نے اس طرح تصدیق کی جیسے یہ معراج شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے۔

جب مکہ کے کفار نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی سازش تیار کی، تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا، اس ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور جب غارِ ثور میں پناہ لی، تو اس وقت بھی ساتھ تھے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کے زان پر اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرمایا تھا۔ اسی دوران ایک سوراخ میں سے سانپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو ڈس لیا۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی، مگر آپ نے اُف تک نہ کی۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھے۔

آپ نے پوچھا "صدیق کیا بات ہے؟" عرض کی "سانپ نے ڈس لیا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعابِ دہن کو کاٹی ہوئی جگہ پہ لگا دیا، جس سے اُن کو فوراً آرام آگیا۔

معراج شریف کے واقعہ کی فوراً تصدیق کرنے پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدیق کا خطاب دیا۔ اور غارِ ثور میں ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ کو "یارِ غار" کہتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں منافقوں، کفار اور اسلام کے دشمن قبیلوں نے بغاوت کی تھی۔ آپ نے ان سارے فتنوں کا خاتمہ کیا تھا۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے ان لوگوں کے خلاف بھی جہاد کیا تھا۔ اس بارے میں بیان کے لئے بہت کچھ ہے، لیکن اس موقع پر اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ آپ نے دشمنوں کی بغاوت کو کچل دیا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کئی فتوحات کیں، جس سے اسلامی سلطنت میں بہت بڑا علاقہ آگیا۔ لوگوں میں خوشحالی آگئی۔ کیونکہ فتوحات سے کافی مالِ غنیمت آیا اور سرکاری مالیانہ سے بھی کافی آمدنی ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں لوگوں پر اپنی پالیسو
کے بارے میں سب کچھ واضح کر دیا تھا۔ اس کا اگر ایک پیرا
آپ پڑھیں تو اس میں سب کچھ آجائے گا۔ آپ فرماتے ہیں" مجھ
پر تمھارے معاملات کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے حالانکہ میں تم سے
بہتر نہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ قرآن نازل ہو چکا، نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم اپنی سُنت واضح کر چکے ہیں۔ ہمیں دین سکھایا گیا اور ہم
نے دین سیکھا۔ میں تو لوگوں سے اتباع کرنے والا ہوں۔ اپنی طرف
سے نئی بات نکالنے والا نہیں ہوں۔ جب میں اچھا کام کروں،
تو میری مدد کرو۔ اور اگر راہِ حق سے ہٹنے لگوں، تو مجھے سیدھا کر دو"۔
آخر وہ گھڑی آگئی جو نبیوں پر بھی نازل ہوئی تھی۔ مرض الموت
طاری تھا اور اس حالت میں آپ پوچھتے ہیں" مجھ کو خلیفہ ہونے
کے بعد اب تک بیت المال سے کل کتنا وظیفہ ملا ہے؟" حساب
لگا کر بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم۔ حکم دیا میری فلاں زمین بیچ کر یہ درہم
بیت المال کو واپس کئے جائیں۔ پھر پوچھا میرے مال میں بیعت
کے بعد کتنا اضافہ ہوا؟ بتایا گیا کہ ایک حبشی غلام جو مسلمانوں کی تلوارو
کو صیقل بھی کرتا تھا۔ ایک اونٹنی جس پہ پانی لایا جاتا ہے۔ تیسری ایک
چادر، جس کی قیمت کوئی سوا درہم ہے۔ فرمایا" میرے بعد یہ تینوں
چیزیں خلیفۂ وقت کو سونپ دی جائیں"۔

جب یہ ساری چیزیں حکم کے مطابق، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دی گئیں، تو بے ساختہ اُن کا جی بھر آیا۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "اے ابوبکر! اپنے جانشین کے لئے بہت مشکل کام چھوڑ گئے"۔

وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی لاشِ مبارک کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "اے خلیفۂ رسول! آپ نے دُنیا سے رخصت ہو کر قوم کو سخت محنت اور مشقت میں ڈال دیا۔ آپ جیسا ہونا تو درکنار، کوئی ایسا بھی نہیں جو آپ کی گرد کو پہنچ سکے"۔

آپ رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوِ مبارک میں دفنا دیا گیا، اور اس طرح آپ اپنے خالقِ حقیقی اور اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

اللہ تعالیٰ ان پہ کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے۔ ہر لمحہ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ ان کے صدقے میں اُمّتِ مصطفےٰ پہ رحم فرمائے اور ان کو کفّار کے ظلم سے نجات دلا دے۔ اور ہمارے ملک کو امان عطا فرمائے، اور لوگوں کو اخلاقِ محمدی عطا فرمائے۔ اس محفل میں اگر ان کی شان میں کوئی بے ادبی ہوئی ہو تو اے اللہ ہمیں معاف فرما!

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم   اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

تمام تعریفیں اللہ جلّ شانہٗ کے لیے ہیں، جو کریم ہے رحیم ہے جو رب العالمین ہے، رحمٰن ہے، جو ستار العیوب ہے غفار الذنوب ہے۔ درودِ لامحدود نبیؐ کریم، تاجدارِ مدینہ، شفیع المذنبین، رحمت اللعالمین، سیّد الاوّلین والآخرین، فخر موجودات وکائنات، حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم پر، جن کو رب العالمین نے تمام عالمین کے لئے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا، مکارمِ اخلاق کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور جن کی حیاتِ طیّبہ کو مسلمانوں کے لئے اور بنی نوعِ انسان کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ اور جن کے اخلاق کے بارے میں فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ جن کی شان میں فرمایا۔

"وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ"

سلام ہو اللہ کے اُن پیاروں پر جنھوں نے اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اللہ کی کتاب کو پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے سے اس پر عمل کیا۔ اور شریعتِ مقدسہ میں مقام حاصل کرکے طریقت میں قدم رکھا۔ اور طریقت سے معرفت میں، اور معرفت سے حقیقت میں اور حقیقت سے مقامِ لاہوت، اور ہاہوت اور اتنے مقامات کے اندر گئے کہ ان کا وجود جو تھا اس کا ہر حصہ ذرّہ تاباں ہو کر مخلوق کے اندھیرے میں روشنی بکھرانے لگا۔ جن کے فیض جاری تھے، جاری ہیں، انشاء اللہ حشر تک جاری رہیں گے، اور ان کے ڈنکے اسی طرح بجتے رہیں گے۔

امّا بعد!

عزیزانِ من!

پہلے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے، اُن کا کیا مرتبہ ہے۔ اچھی طرح جان لے کہ بڑے سے بڑا ولی، قطب، یا غوث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ پھر ان صحابیوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل تھی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابیوں کے متعلق تو اعلان فرمایا تھا کہ یہ جنّتی ہیں۔ اِن کو عشرہ مبشرہ بھی کہتے ہیں۔

یعنی وہ دس صحابی جن کو بشارت دی گئی۔ ان میں چار صحابہ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اور مولائے کائنات سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد یہ اسی ترتیب کے ساتھ، یکے بعد دیگرے، خلیفتہ المومنین مقرر ہوئے۔ ان کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے شریعتِ مقدسہ کے احکام اور قوانین کے مطابق حکومت کی۔ ان میں سے سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ میں اسلامی حکومت کئی لاکھ مربع میل پر قائم ہو چکی تھی۔ جو مشکل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیش آئی، اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہی بے شمار منافق موجود تھے۔ یہودی، عیسائی، بُت پرست، مُشرک، دہریئے۔ بظاہر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے، لیکن اندر سے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے، ہر موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات پر اُن کو ایک زبردست موقع مل گیا۔

خلیفۃ المؤمنین کا انتخاب کرنا آسان نہیں تھا۔ اور ایسے موقع پر سخت اختلافات پیدا ہوتے تھے۔ جنگ و جدال ہوتی تھی، اور قوم و ملّت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا تھا۔ اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جسمِ مبارک رکھا ہوا تھا اور اِدھر دشمنوں نے اپنی ذلیل حرکات تیز کر دیں۔ صحابۂ کرام کو کسی طرح جب یہ معلوم ہو گیا، تو انہوں نے فوراً ہی اس طرف توجّہ دی۔ یہ قصّہ لمبا ہے۔

پس منظر یہ تھا، انصار جو تھے، اُن کو اپنی قربانیوں پہ ناز تھا، مہاجرین اپنی قربانیوں پہ نازاں تھے۔ اہلِ قریش کسی اور قبیلے کے آدمی کو اپنا سردار ماننے کو تیار نہ تھے۔ بہرحال سب فریق متحد ہو گئے، اور چناؤ کے وقت سب نے اتفاق رائے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین چُنا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو آپ سے محبت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبوب زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ ایک بہت بڑے امیر کبیر تاجر بھی تھے اور مکّہ میں ان کی بڑی عزّت تھی۔ یہ قریش قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، بُت پرستی سے نفرت کرتے

تھے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے تھے۔ یہ ضرورت مندوں کی ہمیشہ مدد کرتے تھے۔ آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ ہر صحابی کی بڑی بڑی قربانیاں تھیں۔ مگر کوئی بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ پہنچا۔ جب کبھی جنگ کا موقع آتا تو پہلے اعلان کیا جاتا تھا، جس پر امیر کبیر لوگ جہاد کے لئے مال پیش کرتے تھے۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا اور آپ اپنا نصف مال لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مقابلہ جیت جائیں گے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور جتنا مال تھا اُن کے پاس وہ سب پیش کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اے عمر! گھر کیا چھوڑ کے آئے ہو؟" عرض کیا۔ "نصف مال گھر چھوڑ کے آیا ہوں اور نصف مال آپ کی خدمت میں پیش ہے۔" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اے صدیق! گھر کیا چھوڑ کے آیا ہو؟" عرض کیا۔ "جو کچھ تھا پیشِ خدمت ہے۔ گھر میں صرف اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا۔ "آئندہ کبھی صدیق سے مقابلہ نہیں کروں گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار فرمایا۔ "ہم نے سب کے

احسان کے بدلے چکا دیئے مگر صدیق کے احسان باقی ہیں، اور اس کا بدلہ اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ چکا دیں گے"۔

پھر فرمایا "کسی کے مال سے اسلام کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا، جتنا صدیق کے مال سے"۔

اب آپ اسی سے اندازہ لگا لیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کس حد تک فنا فی الرسُول تھے۔ صدیق اُن کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، تو انہوں نے فورًا، بغیر کسی سوچ کے، نہایت زوردار انداز سے تصدیق کی۔ یہ ایسا انداز تھا کہ دوسرے لوگ حیران تھے کہ انہوں نے تو اس طرح تصدیق کی جیسے یہ معراج شریف میں حضور کے ساتھ ساتھ تھے۔

جب مکّہ کے کفار نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی جان لینے کی سازش تیار کی، تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا۔ اُس ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور جب غارِ ثور میں پناہ لی تو اس وقت بھی ساتھ تھے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کے زان پر اپنا سر مُبارک رکھ کر آرام فرمایا تھا۔ اسی دوران ایک سُوراخ میں سے سانپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو ڈس لیا۔ اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی، مگر

آپ نے اُف تک نہ کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے
تو آپ نے اُن کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھے۔ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے پوچھا" صدیق! کیا بات ہے"؟ عرض کیا" سانپ نے
ڈس لیا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب دہن کو کاٹی ہوئی
جگہ پر لگا دیا، جس سے اُن کو فوراً آرام آگیا۔

معراج شریف کے واقعہ کی فوراً تصدیق کرنے پر سرکارِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدیق کا خطاب دیا۔ اور غارِ ثور میں
ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ کو یارِ غار کہتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں منافقوں،
کافروں، اور اسلام کے دشمن قبیلوں نے بغاوت کی۔ آپ نے اُن
تمام فتنوں کا خاتمہ کیا تھا۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر
دیا تھا، تو آپ نے ان لوگوں کے خلاف بھی جہاد کیا تھا، اس بارے
میں بیان کرنے کے لئے بہت کچھ ہے، لیکن اس موقع پر اتنا ہی
کہنا کافی ہے کہ آپ نے دشمنوں کی بغاوت کو کچل دیا تھا۔ کئی
فتوحات کیں، جس سے اسلامی سلطنت میں بہت بڑا علاقہ آگیا۔
لوگوں میں خوشحالی آگئی، کیوں کہ فتوحات سے کافی مالِ غنیمت آیا۔
اور سرکاری مالیانہ سے بھی کافی آمدنی ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں اپنی پالیسیوں کے

بارے میں سب کچھ واضح کر دیا تھا۔ اس کا اگر ایک پیرا آپ پڑھیں
تو اس میں سب کچھ آجائے گا۔ آپ فرماتے ہیں: "مجھ پر تمہارے
معاملات کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں، لیکن
بات یہ ہے کہ قرآن نازل ہو چکا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سُنّت
واضح کر چکے ہیں۔ ہمیں دین سکھایا گیا اور ہم نے دین سیکھا۔ میں تو
لوگوں سے اتباع کرانے والا ہوں اپنی طرف سے نئی بات نکالنے
والا نہیں ہوں۔ جب میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو، اور اگر
راہِ حق سے ہٹنے لگوں، تو مجھے سیدھا کر دو۔"

آخر وہ گھڑی آگئی جو نبیوں پر بھی نازل ہوئی تھی۔ مرض الموت
طاری تھا اور اس حالت میں آپ پوچھتے ہیں: "مجھ کو خلیفہ ہونے
کے بعد سے اب تک بیت المال سے کل کتنا وظیفہ ملا ہے؟"
حساب لگا کر بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم۔ حکم دیا، میری فلاں زمین بیچ کر
یہ درہم بیت المال کو واپس کئے جائیں۔ پھر پوچھا میرے مال میں
بیعت کے بعد کتنا اضافہ ہوا؟ بتایا گیا کہ ایک حبشی غلام جو مسلمانوں
کی تلواروں کے صیقل بھی کرتا تھا۔ ایک اونٹنی جس پہ پانی لایا جاتا
ہے، تیسری ایک چادر جس کی قیمت کوئی سوا درہم ہے۔ فرمایا: "میرے
بعد یہ تینوں چیزیں خلیفۂ وقت کو سونپ دی جائیں۔"

جب یہ ساری چیزیں حکم کے مطابق، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

دی گئیں، تو بے ساختہ ان کا جی بھر آیا، روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے" اے ابوبکر! اپنے جانشینوں کے لئے بہت مُشکل کام چھوڑ گئے"۔

وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا" اے خلیفہ رسُول! آپ نے دُنیا سے رخصت ہوکر قوم کو سخت محنت اور مشقت میں ڈال دیا۔ آپ جیسا ہونا تو درکنار، کوئی ایسا بھی نہیں کہ آپ کی گرد کو پہنچ سکے"۔

آپ رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفنا دیا گیا، اور اس طرح آپ اپنے خالق حقیقی اور اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

اللہ تعالیٰ اُن پہ کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے۔ ہر لمحہ اُن کے درجات بلند فرمائے۔

اُن کے صدقے میں اُمّتِ مصطفےٰ پہ رحم فرمائے اور ان کو کفّار کے ظلم سے نجات دلادے اور ہمارے ملک کو امن عطا فرمائے۔ اور لوگوں کو اخلاقِ محمّدی عطا فرمائے۔ اس محفل میں اگر اُن کی شان میں کوئی بے ادبی ہوئی ہو، تو اے اللہ ہمیں معاف فرما۔

حضرت عمر فاروق ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

امّا بعد

عزیزانِ من!

آج میں ایک ایسی مقدس ہستی کے بارے میں بیان کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں، جن کے مبارک اسم سے ہر مسلمان اور ہر مسلمان بچہ واقف ہے۔ ان کا اسم گرامی سیّدنا حضرت عمر ابنِ خطاب فاروق رضی اللہ عنہ عالی مقام ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پردہ فرمایا تو یہ ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی جانشین ہوتا، تاکہ اسلام اور سلطنت کے امور

کو وہ بخوبی چلا سکتا۔ خلیفہ کا جو لفظ ہے، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلی مرتبہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے لئے استعمال کیا، جب فرشتوں کو خطاب کر کے کہا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

یعنی "اور (وہ وقت یاد کریں) جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں زمین پر ایک (اپنا) نائب بنانے والا ہوں"

پھر بعد میں انبیاء علیہم السلام کا جب پردہ ہو جاتا تو جو اُن کے اصحابی ہوتے وہ نائب ہو جاتے یا کچھ اور۔ لیکن اسلامی اصطلاح کے اندر جو پہلے خلفاء راشدین ہوئے، ان میں سے جو پہلے ہیں (یعنی سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ان کو خلیفۃ الرسول کہا گیا۔ اس کے بعد خلیفۂ دوم آئے یعنی سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ عالی مقام۔ انہوں نے پہلی دفعہ اپنا لقب امیر المؤمنین اختیار کیا۔ اور یہ سلسلہ چلتا گیا۔ جب تک کہ خلافتِ راشدہ رہی۔ جب خلافتِ راشدہ ختم ہوئی، تو پھر ملوکیت یعنی بادشاہت آگئی۔ اگر انہوں نے (ملوکیت والوں نے) اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہا، تو وہ اس کے حق دار نہیں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول کیوں کہا

گیا، اس لئے کہ جب شوریٰ نے آپ کو منتخب کیا تو کسی نے بھی

اختلاف نہیں کیا: سب نے متفق الرائے ہو کر آپ کو چُنا۔ اس واسطے

آپ کو خلیفۃ الرسول کہا گیا۔ اس کے بعد مجلس مشاورت جو ہوتی

تھی وہ فیصلے کرتی تھی، یہ چھ سات اصحاب ہوتے تھے، اور جس کے

حق میں وہ فیصلہ دیتے اُن کو امیر المومنین بنایا جاتا تھا۔ مشاورت

جو تھی وہ اور طرح کی ہوتی تھی، آج کی طرح نہیں ہوتی تھی۔ مشاورت

اُن لوگوں کی ہوتی تھی جو دینی و دنیاوی معاملات میں ہر اعتبار سے

سو فیصد اتباعِ رسُول کرتے تھے۔ ترازو میں تول کر دیکھیں تو سو فیصد۔

تو اُن کا فیصلہ عدل ہی عدل ہے۔

اور یاد رکھو! یہ فقہی مسئلہ ہے، مسئلہ کے اندر اجتہاد کرنا پڑتا ہے۔

اجتہاد یہ ہے کہ دین کا علم، کلام پاک کا علم، حدیث شریف کا علم۔

دیانت داری سے استعمال کر کے پوری محنت اور جدوجہد سے

ایک مسئلہ کا حل نکالنا۔

جہاں لفظ بشر ہے وہاں خطا بھی ساتھ ساتھ ہے۔ یہ بھُولنا

نہیں چاہیئے۔ اجتہاد میں ان سے کوئی خطا ہو جاتی تو اس کی وجہ سے

پکڑ نہیں ہوتی۔

ایک ہوتا ہے "صاحب الرائے" ایک ہوتا ہے "صائبُ الرائے"

یعنی صحیح رائے دینے والا۔ وہ لوگ صائب الرّائے ہوتے تھے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس پہ پکڑ نہیں فرمائیں گے۔ اس لئے کہ وہ غفور الرحیم ہے۔

چار پہ مشاورت ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی ایک قسم کا ووٹ ڈال دیا۔ لوگوں کو نشاندہی کر دی کہ "جو مصائب اس وقت ہیں، جن کو ہر عام شخص اتنا نہیں جانتا جتنا میں جانتا ہوں۔ میرے بعد عمر (رضی اللہ عنہ) کے اندر جو چیز میں دیکھتا ہوں یہ ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اسلام کے جھنڈے ان کے عہد میں بلند ہوں گے" چنانچہ آپ کو خلیفۃ المسلمین چُن لیا گیا۔ اور آپ نے اپنا لقب امیر المومنین رکھ لیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے نبوّت کا اعلان کیا، تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ کے جانی دشمن تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پہ وہ مظالم ڈھائے کہ الاماں والحفیظ!

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ دُعا فرمائی کہ "اے اللہ! ابو جہل سے یا عمر سے اسلام کو معزز فرما دے"۔ تقدیر کے فیصلے ہو چکے تھے۔ گمراہی کا قضا و قدر کا تیر ابو جہل کی طرف چلا، اور نُوری تیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلب میں پیوست ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ دلدوز بھی ہے اور

ایمان افروز بھی۔ آپ بُرے ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جارہے تھے۔ کسی نے پوچھا" اے عمر! کہاں جارہے ہو؟" انہوں نے کہا کہ" میں محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جارہا ہوں"۔ اس شخص نے کہا" پہلے اپنی بہن کی خبر تولو۔ وہ اور اس کا خاوند مسلمان ہو چکے ہیں"۔

اُن کی طبیعت میں بہت جلال تھا۔ بہن کے ہاں گئے تو اس وقت قرآنِ پاک کی تلاوت ہو رہی تھی۔ جب بہن نے بھائی کی آواز سُنی تو قرآن پاک کے وہ اوراق جلدی سے چھپا لئے۔ اس وقت قرآن پاک اس صورت میں نہیں تھا جواب ہے۔ کسی کے پاس کوئی سورت تھی تو کسی کے پاس کوئی اور۔ بعد میں جاکر پورا قرآن اکٹھا کیا گیا۔

جب دروازہ کھُلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو مارنا شروع کیا۔ اور بہنوئی سے بھی گھتم گتھا ہوئے۔ انہوں نے اپنی بہن کو اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہوگئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو لہولہان دیکھا تو عمر وہ عمر نہ رہا —— اُن کے دل میں اس وقت ایک طلاطم پیدا ہوا جب اُن کی بہن نے کہا کہ "بھائی! اگر تم ہمیں قتل بھی کردو، تو اسلام اندر سے انشاء اللہ نہیں نکلے گا"۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا" تم جو کچھ پڑھ رہے تھے،

وہ مجھے بھی تو سناؤ، بتاؤ تو سہی"۔ بہن نے وہ آیت سنائی جس کی تلاوت
اُن کی آمد کی وجہ سے رُک گئی تھی۔ اس آیت کے شروع کے حصّے کا
ترجمہ یہ تھا۔

"آسمان اور زمین میں جو چیز ہے وہ اللہ کی تسبیح کر رہی
ہے، اللہ غالب اور حکمت والا ہے"۔

اور اس آیت کے آخری حصّے کا ترجمہ یہ تھا" اللہ اور اس کے
رسولؐ پر ایمان لاؤ"۔

بس یہ سُننا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں کلمہ
پڑھا اور اپنی ہمشیرہ کو سینے سے لگا لیا۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم صفا پہاڑی کے قریب اپنے
صحابی حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں خفیہ طور پر تبلیغ فرمایا کرتے
تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کے گھر سے حضرت خباب
رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس خفیہ مقام کی
طرف چلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو اندر دوسروں
کے علاوہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، جو حضور صلی اللہ
علیہ وسلّم کے چچا تھے اور حضور سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک
دفعہ ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی گستاخی کی۔ جب

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ خانہ کعبہ گئے۔ جہاں ابوجہل بد بخت بیٹھا ہوا تھا۔ اور اپنا کمان اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ وہ حیران رہ گیا۔ حضرت حمزہ بڑے بہادر تھے، ہماشما کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان سے بات کرے۔ انھوں نے کہا "تم نے میرے بھتیجے کو کیا سمجھ رکھا ہے کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے" وہ مُنہ دیکھتا رہ گیا۔

اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا "بھتیجے! میں نے تمھارا بدلہ لے لیا" اور پھر پورا واقعہ سُنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چچا ان چیزوں سے میرا دل خوش نہیں ہوتا" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے محبت اور شفقت میں آکر کہا "میری جان! تم بتاؤ کہ کن چیزوں سے تمھارا جی خوش ہوتا ہے؟" فرمایا کہ "میرا دل تو آپ کے اسلام لانے سے خوش ہوگا"

حضرت حمزہ نے کہا " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

بدقسمتی سے ہندہ نام کی ایک عورت تھی جو بعد میں اسلام لائی۔ ایک غزوہ کے دوران جب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو اُس نے اُن کا کلیجہ چبا ڈالا۔ اسلام لانے کے بعد جب وہ آتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ "اس کو مجھ سے دُور

رکھا کرو۔ مجھے میرے چچا کی یاد آتی ہے۔"

تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ارقم کے مکان پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو وہاں موجود صحابیوں نے دروازے کے درزوں سے دیکھ کر کہا کہ حضرت عمر تلوار لٹکائے آئے ہیں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا "آنے دو، اگر مخلصانہ آتا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر معاندانہ آتا ہے، تو جتنی ہمت ہے، میری بھی تلوار ہے، سر قلم کر دوں گا۔"

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ بازو پکڑا اور پوچھا "عمر! کس نیّت سے آئے ہو؟ کس ارادے سے آئے ہو؟" عرض کی: "حضور! آپ کی غلامی کے لئے آیا ہوں"۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اختیار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ وہاں موجود دوسرے لوگوں نے جواب میں جب تکبیر کہی تو فضا گونج اٹھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھوڑا سا پس منظر بیان کرنا ضروری ہے۔ آپ قبیلۂ قریش سے متعلق تھے۔ قبیلۂ قریش تمام قبیلوں سے معزز سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ کعبہ کے متوّلی بھی اہلِ قریش تھے۔ آپ کی بہادری کا کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ ماشاء اللہ قد اتنا تھا کہ ہزاروں میں اگر کھڑے ہو جائیں تو نظر آئیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ہیں۔

اس دور میں قبائل میں جاہلیت اتنی تھی کہ مرنے مارنے پہ آجاتے تھے۔ اس قتل و غارت گری سے بچنے کے لئے ایک لائحہ عمل تھا۔ وہ یہ کہ ثالث مقرر کیا جائے، جس کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ثالث مقرر کیا جاتا تھا۔ اور آپ جن قبیلوں کی ثالثی قبول کر لیتے تھے، وہ فخر کے باعث سربلند ہو جاتے تھے کہ ہمارے ثالث حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ہو گئے ہیں۔ رئیس تھے خوشحال تھے۔

اس وقت تک کوئی سترہ کے قریب مسلمان ہو چکے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ "اب نماز خانہ کعبہ میں ہوگی' اور عمرؓ دیکھے گا کہ کون روکتا ہے۔" چنانچہ نماز خانہ کعبہ میں شروع ہو گئی اگرچہ کفّار کی طرف سے مظالم بھی جاری رہے۔

جب باہر سے قبیلے آتے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس جا کے تبلیغ کرتے۔ ایسے موقع پر کفّار رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "پہلی اُمتوں میں محدّث ہوتے تھے۔ میری اُمت میں عمرؓ محدّث ہے۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ "میں عثمان سے حیا کیوں نہ کروں کہ خدا بھی عثمان سے حیا کرتا ہے۔"

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے تھے کہ ”یہ ہدایت کرنے والے ہیں، کیونکہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اگر تم انہیں امیر بناؤ گے، تو یہ ہدایت یافتہ ہیں اور تمہیں صحیح ہدایت دیں گے“۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”لیکن میرا خیال ہے کہ تم انہیں امیر نہیں بناؤ گے“۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک مرتبہ فرمادیا تھا کہ ”لوگ میرے علم پر طعن کرتے ہیں۔ مجھ سے پوچھو جو قیامت تک ہونے والا ہے، میں بتاتا ہوں، ہر چیز عیاں ہے“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا جن سے آپ بہت پیار کرتے تھے کہ ”یہ میری بیٹی کے بیٹے ہیں اور میرے بیٹے ہیں“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ان بچوں سے ملنے جاتے تھے کیوں کہ آپ ان سے بہت ہی پیار کرتے تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطاب فرمارہے تھے کہ یہ بچے وہاں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اُتر آئے اور اُن کو اُٹھا کے پیار کیا۔ اور ایک طرف بٹھادیا۔ اور پھر فرمایا کہ ” اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارا امتحان ہیں، لیکن محبت نے جوش مارا اور میں نہیں دیکھ سکا کہ یہ ٹھوکر کھائیں“۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تک ایمان نہیں لائے تھے تو

طبیعت کے بڑے سخت تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد اُن کی یہ حالت تھی کہ اللہ کے معاملہ میں انتہائی رحم دل بھی تھے اور انتہائی سخت بھی۔

عزیزانِ من! میں نے پچھلے خطابات میں واضح کیا تھا کہ یہ ایک تاثر دیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں جتنے بھی لوگ تھے، وہ سب مسلمان ہی تھے۔ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود فرمایا تھا کہ "مخلص تو بہت کم ہیں، کلمہ گو بہت ہیں"۔ اب کسی نے اگر کلمہ پڑھا کسی مصلحت کے تحت تو

This was not because of loyalty towards Islam - Certainly not.

(یہ اسلام سے وفاداری کے باعث نہ تھا، قطعاً نہیں)

جنھوں نے Loyalty towards Islam (اسلام سے وفاداری کی)" ان کی تو حالت عجیب تھی۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما تھے۔ اُن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس نے بھی (ان میں سے) جس کی پیروی کی، وہ نجات پا گیا"۔

پھر فرمایا۔ "میرے صحابہ کو بُرا مت کہو"۔ پھر فرمایا۔ "ایک وقت آئے گا کہ ایک گروہ ہوگا جو اُن کی شان میں گالیاں بکے گا، بُرا بھلا

کہے گا۔ تم ان سے مت ملنا، تم ان سے مت نکاح کرنا، ان کا جنازہ تک مت پڑھنا"۔

بالکل صاف بات ہے، اس میں کوئی گنجائش نہیں ــــ تو حالت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں جو اصلی مسلمان تھے صحیح معنوں میں، وہ بڑے سخت پریشان تھے۔ کیونکہ منافقوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دیکھ رہے ہیں کہ منافق ہیں، مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُن کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کر رہے ہیں۔

No action is being taken. On the other hand they are being encouraged

دکوئی کارروائی نہیں کی جارہی ہے۔ اس کے برعکس اُن کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بڑے صبر سے دیکھ رہے تھے۔ یہ یاد رکھیں کہ نبی اللہ کے حکم کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "میں نے جتنی بھی شادیاں کیں وہ اللہ کے حکم سے کیں۔ اور اللہ کا یہ حکم مجھ تک حضرت جبرائیل علیہ السلام پہنچاتے تھے کہ یہ شادی کرو"۔

بچپن سے لے کر اب تک میں نے کسی عالم کی زبان سے یہ

کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ وہ کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی نکاح کیا وہ اس وقت کیا جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کا حکم پہنچایا۔ اس لئے کہ وہی تھے وحی لانے والے اور فرماتے تھے "یہ اللہ کا حکم ہے"۔

پھر ایک دن آیا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔" لے لو خبر ان منافقوں کی اور ایک ایک کو مٹادو"۔ اس وقت مسجد میں کوئی بتیس منافق موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ایک کا نام لیا۔ اور اسے وہاں سے باہر نکالا گیا۔ اس طرح جب سب کو نکال دیا گیا تو مسلمانوں نے گویا عید منائی۔ ان کے دل کی کلیاں کِھل اُٹھیں اور کہا کہ "خدا کا شُکر ہے' اب ہمیں نجات ملی"۔

یہ منافق چھپکے چھپکے آکے چوہوں کی طرح بوریوں کو کتُرتے تھے۔ اس طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پردہ فرمایا تو بڑے بڑے مسائل کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلا مسئلہ جو تھا وہ خلافت کا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور سرگوشی میں کہا کہ فلاں شخص جس کی بیٹھک میں مجلس ہوتی ہے اور فیصلے ہوتے ہیں۔ وہاں ایک عجیب فیصلہ ہو رہا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا؟

حضرت عمر نے کہا" وہ تن گیا ہے اور کہتا ہے کہ اسلام کے

لئے میں نے اتنی جو خدمت کی ہے، خلافت پر حق تو میرا ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ بالکل حق پر ہو۔ واقعی تم نے ایسا کیا ہے'۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو جا کے سمجھایا کہ " دیکھو، تمہیں اگر متفقہ رائے سے یہ منتخب بھی کر لیں، تمہیں امیر المومنین کوئی نہیں مانے گا، اس لئے کہ تم قریش قبیلے سے نہیں ہو۔ قریش قبیلہ، قریش کے علاوہ کسی اور قبیلے کے آگے سر خم کرنے کو تیار نہیں۔ کعبہ کی چابیاں بھی ان کے پاس ہیں۔ اس وقت اسلام پہ جو بادل چھائے ہوئے ہیں، کم از کم اس وقت ایسی بات نہ کہو کہ بارش ہو یا اولے پڑیں۔ چنانچہ وہ شخص باز آیا۔

پھر مجلس شوریٰ میں معاملہ پیش ہوا تو کسی نے اختلاف نہیں کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کئی قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جب آپ نے ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا" اے ابوبکر! ایسا نہ کریں۔ ابھی ہم کمزور ہیں"۔ آپ نے کڑک کر کہا" اے عمر! جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں مانتے، اُن کے خلاف جہاد ہو گا۔ اور اے عمر! جاہلیت کے دور میں تو تو بڑی بھڑکیں مارتا تھا۔ اب وہ تمہاری بھڑکیں اور بہادری کدھر گئی؟" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

بے اختیار بول اُٹھے "اے ابوبکر! اللہ نے تیرا سینہ حق کے لئے کشادہ کر دیا"۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔

ایک شخص نے جھوٹی نبوت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی جنگ بڑی زور دار ہوئی۔ اندر سے جو کام منافقین کر رہے تھے، وہ وہی یہودی تھے، مجوسی تھے، بُت پرست تھے۔ اور جن قبیلوں کو شکست ہوئی تھی وہ بدلہ لینے کی فکر کر رہے تھے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت پر متمکن ہوئے تو حالات عجیب وغریب تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو صرف دو سال خلیفہ رہے۔ اور دو سال کے عہد میں آپ نے زکوٰۃ نہ دینے اور جھوٹی نبوت جیسے فتنوں کو ختم کرنے کے علاوہ اور بھی کام کئے، کچھ فتوحات بھی کیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آکے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔

عزیزانِ من! جو تاریخ کے طالب علم رہے ہیں، ان کو ان کے پروفیسروں نے بتایا ہوگا کہ جن بادشاہوں نے حملے کئے ہیں، اور ملک فتح کئے ہیں، ان میں سے ہر ایک نے ایک بڑی خطا کی تھی جس کی وجہ سے کسی کی بادشاہت برقرار نہیں رہ سکی تھی۔ وہ خطا کیا تھی؟ انگریزی میں اسے کہتے ہیں:۔

Expansion without consolidation

یعنی ملک گیری بلا استحکام۔ توسیع تو کی، لیکن اسے منظم نہیں کیا۔ فتح شدہ علاقے کو ایک نظام کے تحت نہیں لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر چیز کو ایک نظام کے اندر مربوط کیا۔ فارس والے سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اہلِ روم بھی یہی سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جو اسلامی لشکر تھے، وہ ایک سیلاب تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے بادشاہوں کی فتوحات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ فرق کیا تھا؛ چنگیز خان کو کون نہیں جانتا، کیا کیا اس نے نہیں کیا۔ سکندر اعظم کا کیا حال تھا۔ شام کے ایک شہر کو جب فتح کیا تو ایک ہزار آدمیوں کے سر کاٹ کے شہر کی فصیل پر لٹکا دیئے گئے۔ اور تیس ہزار مرد عورتوں کو غلام بنا کر اُن کو بیچا گیا۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی لشکر جب جاتے تھے تو ان کو سخت ہدایات تھیں کہ کسی عورت، بوڑھے، بچے یا معذور کو ہاتھ تک نہ لگائیں۔ حتیٰ کہ سبز درخت جو تھے، ان کو بھی نہیں کاٹا جاتا تھا۔ فرماتے تھے کہ "اگر کاٹو گے تو عمر تم کو دیکھ لے گا"۔ یعنی سبز درخت کاٹنا بھی منع تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں جہاں بھی یہ مسلم لشکر جاتے تھے، وہاں کے لوگ دیوانے ہو جاتے تھے، اُن کے گرویدہ ہو جاتے تھے، وہ

کہتے تھے کہ زندگی کا تو اب مزا آ رہا ہے۔ انسان کی عظمت کا تو اب پتہ چلا ہے۔ کیونکہ انسان کی عزت و حُرمت انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جہاں بادشاہ تھا وہاں تو بات بات پہ لوگ قتل ہو جاتے تھے۔ جب بادشاہ آتا تو مال لوٹ کے چلا جاتا تھا۔ اور مُسلم لشکر مالِ غنیمت اس وقت لیتے تھے جب جنگ لڑی گئی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس بات پہ فخر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے کی اُمتوں کو مالِ غنیمت جائز نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بڑے فخر سے فرماتے تھے کہ میری اُمّت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ مال مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ کیوں کہ اس وقت کسی کے پاس زِرہ تھا، کسی کے پاس گھوڑا تھا۔ جس کے پاس گھوڑا نہیں تھا، وہ پیدل ہی لڑ رہا تھا۔ اگر انسان کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہیں، وہ جان کو خطرے میں ڈال کر لڑتا ہو، کٹتا ہو، شہادت پاتا ہو، پیچھے اس کے بیوی بچّے ہوں، یہی حالت مسلمانوں کی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت مسلمانوں کے لئے حلال قرار دے دیا۔

آپ حیران ہوں گے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وصال پر اس کمرے میں کچھ نہ تھا جس میں مالِ غنیمت جمع کیا جاتا تھا۔ ہوتا یہ تھا

کہ جو بھی مالِ غنیمت آتا تھا وہ تقسیم ہو جاتا تھا، بچتا کچھ نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مالِ غنیمت بڑی مقدار میں آتا تھا کیونکہ ملک پہ ملک فتح ہو رہے تھے۔ ایران کا غرور ٹوٹ گیا، رومیوں کا غرور ٹوٹ گیا۔ بس

ع۔ تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا !

چنانچہ پھر ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک باقاعدہ بیت المال قائم کیا۔ تقسیم کرنے کے بعد جو مال بچ جاتا تھا، وہ اُس میں جمع ہوتا تھا۔ آپ نے بیت المال کے قواعد وضوابط بنائے، آپ نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا کہ بیت المال کے وہی حق دار ہیں جو ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں۔ یعنی عامل وغیرہ جن کی تنخواہیں اس میں سے دی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ غریب، مفلس، نادار، یتیم اور معذوروں کو بھی اس میں حصہ بانٹا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المال قائم کیا تو لوگوں نے کہا کہ ”حضور، آپ فرما دیجئے کہ آپ کے لئے کیا مقرر کیا جائے“؟ آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے صرف دو جوڑے کپڑے چاہئیں۔ ایک سردیوں کے لئے ایک گرمیوں کے لئے، ایک سواری چاہیئے حج، عمرے اور جہاد کے لئے“۔ پھر فرمایا کہ ”عمر کے خاندان کے لئے اتنا ہی دیا جائے جتنا کہ ایک متوسط طبقے کا آدمی اپنے

گھر کے لئے خرچ کرنا ہے، اس سے زیادہ نہیں"۔

ایک دفعہ آپ کو شہد کی ضرورت پڑی، تو آپ نے مسجد میں لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ "عمر کو دوائی کے طور پر شہد تجویز کیا گیا ہے۔ کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں بیت المال سے شہد لے لُوں؟" سب نے اجازت دے دی۔ آپ اسی سے اندازہ لگائیں اُن کی دیانت داری کا۔

ایک دفعہ مالِ غنیمت جب آیا تو آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، جو ام المومنین بھی تھیں، کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نکاح میں تھیں جب ان کو پتہ چلا کہ مالِ غنیمت آیا ہے، تو وہ بھاگی بھاگی آئیں۔ کہا: "یا ابا! اس مالِ غنیمت میں میرا حصہ کہاں ہے؟" پتہ ہے جواب کیا دیا؟ آپ نے فرمایا۔ "تم میرے قرابت دار ہو، اس لئے تم میرے مال کے حصّہ دار ہو۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اس میں سے تمھارا حصّہ دینا خیانت ہے۔ افسوس تم نے اپنے باپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی"۔

ایک دفعہ جب مالِ غنیمت تقسیم کر چکے تو آپ نے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک ایک ہزار درہم دیئے۔ اس پر آپ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے۔ "یا ابا! میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ غزووں میں بھی لڑا ہوں۔ اِدھر بھی لڑا ہوں۔ میرا مالِ غنیمت

میں حصہ بنتا ہے۔ مجھے آپ نے پانچ سو درہم دیئے"۔

آپ نے فرمایا" ہاں تم کو صرف پانچ سو درہم دیئے۔ اس لئے کہ تم ان کی برابری نہیں کر سکتے۔ نہ تمہارا باپ نہ تمہارا دادا۔ ان کے باپ دادا کی جو عظمت تھی نسب کی، اس کو تم نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے انہیں ایک ایک ہزار اور تمہیں پانچ سو درہم دیئے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی کو اعتراض کرنے سے منع نہیں کیا۔ اگر اعتراض جائز ہوتا تو مان لیتے تھے۔

ایک دفعہ حق مہر کی مقدار مقرر کرنے کے لئے آپ نے خطاب شروع کیا۔ ایک عورت کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی" اے عمر! خدا سے ڈر۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بند نہیں کیا، تُو کیوں بند کرتا ہے"۔ آپ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور فرمایا کہ" خدا کا شکر ہے کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ علم رکھتی ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دو شرف عزیز تھے۔ پہلا یہ کہ آپ کی بیٹی ہماری ام المومنین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ دوسرا یہ کہ مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادی آپ کے گھر میں تھیں، یعنی آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے داماد تھے۔

میں شیعوں سے پوچھتا ہوں کہ تم کہتے ہو خلافت زبردستی

چھین لی گئی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے داماد بھی تھے اور خلافت ملنے پر کسی پر بھی کسی قسم کا دباؤ نہیں تھا۔ میں پوچھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بیٹوں کے نام ابو بکر، عثمان، اور عمر کیوں رکھے۔ کیا جواب ہے تمھارے پاس ؟ اگر تم کہتے ہو کہ زبردستی چھین لی تھی تو ان کا لقب اسد اللہ غالب کیسے ہوا؟ میں کہتا ہوں تو پھر یہ لقب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دے دو، نہیں تو اپنی تخریب سے باز آجاؤ۔

آپ رضی اللہ عنہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رہتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کی شہادت رمضان شریف میں ہوئی تھی، نے فرمایا۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر آپ کے ساتھ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے عثمان ! ہم تمھارا انتظار کر رہے ہیں افطاری کے لئے، تم افطاری ہمارے ساتھ کرو"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی سلطنت میں توسیع ہوئی، لیکن آپ اتنے بیدار اور اتنے سخت تھے کہ گورنر تک کو بھی سزا دینے میں نہ کبھی ہاتھ روکا اور نہ کبھی ڈرے۔ اگر آپ کے مناقب بیان کئے جائیں، تو پھر اس کے لئے پوری تفصیل چاہیئے۔ آپ نے دو شہر آباد کئے جن میں ایک بصرہ ہے جو مسلمانوں

کے لئے دو بڑی چھاؤنیاں بن گئے تھے۔ اگر مسلمان کہیں جنگ لڑ رہے ہوتے تو ان کو کمک و رسد انہی چھاؤنیوں سے پہنچائی جاتی تھی۔ آپ نے بیت المال کے ساتھ خزانہ بھی قائم کیا۔ عدل کا محکمہ بھی قائم ہوا۔

ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک بہت بوڑھا آدمی سامنے آیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ ''اس بڑھاپے میں تم مزدوری کر رہے ہو؟'' اس نے کہا: ''کیا کروں، میں یہودی ہوں، مسلمان نہیں۔ مجھے جزیہ ادا کرنا پڑتا ہے جس کے لئے میں مزدوری کرتا ہوں''۔

آپ رضی اللہ عنہ اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ اس کو کچھ دیا، اور ساتھ بیت المال کا پروانہ بھی دیا کہ اس کو ہر ماہ اتنے درہم دیئے جائیں۔ اس کا جزیہ بھی معاف کیا اور فرمایا کہ ''یہ کون سا انصاف ہے کہ تمہاری جوانی کے جو بہترین دن تھے اس سے تو ہم نے فائدہ اٹھایا اور اب جب کہ تم بوڑھے کبڑے ہو چکے ہو، ہم تم سے جزیہ لیں''۔

آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک ہزار اسی شہر فتح ہوئے۔ آپ کے زمانے میں مختلف شہروں میں جمعہ کے نو سو منبر قائم ہو چکے تھے۔ پھر سڑکوں کی تعمیر ہوئی۔ غرضیکہ ہر ایک محکمہ وجود میں آگیا اور اس نے کام کرنا شروع کر دیا۔

جب آپ رضی اللہ عنہ کے وصال سے پہلے عراق فتح ہوا، تو

عراق کے بادشاہ کو آپ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا "میرا سر قلم کر دو، کیونکہ میں سر کٹوا لوں گا مگر اسلام قبول نہیں کروں گا۔" آپ نے فرمایا "تو پھر ٹھیک ہے، تیار ہو جاؤ"۔ پھر حکم دیا کہ "یہیں دربار میں اس کا سر قلم کر دیا جائے"۔ پھر اس سے پوچھا کہ "تمھاری کوئی خواہش" اس نے کہا "میں ٹھنڈا پانی پینا چاہتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ پانی تازہ مٹی کے کوزے میں ہو، اور مٹی کا کوزہ میری شان کے مطابق ہو"۔

حکم جاری ہو گیا۔ جب کوزہ پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ "میں کیسے پی سکتا ہوں۔ تلوار میرے سر پہ ہے، تم مجھے پانی پینے میں قتل کرا دو تو۔ یا تو مجھے یہ وعدہ دو کہ جب تک میں پانی ختم نہ کروں، تم مجھے قتل نہ کرو گے"۔

امیرالمومنین نے فرمایا "جب تک تم یہ پانی نہیں پی لو گے، تمھیں قتل نہیں کیا جائے گا"۔ اس پر اُس نے وہ پیالہ زمین پہ دے مارا، پیالہ ٹوٹ گیا اور پانی بہہ گیا۔ اس نے کہا "اے امیرالمومنین! تم مجھے اب قتل نہیں کر سکتے"۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی فہم و فراست اور عقلمندی بہت پسند آئی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ۔

"یہ کام کی چیز ہے، اس کی تعلیم کرو، اس پہ جبر نہ کرو"۔

چنانچہ جب اس کی تعلیم کی گئی تو اس نے خود کہا کہ "مجھے اسلام کے دائرے میں شامل کر لو"، جب وہ اسلام کے دائرے میں داخل

ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”تمہاری کوئی خواہش ہے؟“ اُس نے کہا ”مجھے عراق میں ایک ویران گاؤں چاہیئے“۔ آپ نے فرمایا۔ ”یہ تو کوئی بڑی بات نہیں“۔

جب تلاش کیا اِدھر اُدھر، تو سب نے کہا ”جی عراق میں کوئی ویران گاؤں نہیں“۔ اس پر اس نے کہا ”اے عمر! میری مراد اس سے یہ تھی کہ دیکھ لیں عراق آباد اور خوشحال ہے۔ اب اگر اسے کچھ ہو گیا، تو تُو اس کا ذمہ دار ہے“۔ آپ اس کی فہم و فراست سے بہت خوش ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی قسمتیں بڑے عمدہ وظیفے مقرر کر کے بنا دیں۔ ازواجِ مطہرات کے بھی بڑے عمدہ وظیفے مقرر کئے یعنی کئی کئی ہزار دینار کے، جس سے وہ خوش تھیں۔

پھر ایک دن آپ نے منبر پہ کھڑے ہو کے خطاب کیا اور فرمایا۔ ”اے لوگو! میں ایک خواب بار بار دیکھتا آرہا ہوں کہ ایک مرغ ہے جو مجھ پہ چونچوں سے حملہ کر رہا ہے۔ میں بلا شک وشبہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میری موت قریب آگئی ہے لہٰذا میرے بعد تم لوگ مشاورت کر کے اپنا خلیفہ چن لو“۔

آپ اپنے کام میں اتنے محتاط اور گہرے تھے کہ آپ نے پارلیمان تشکیل دیں۔ پہلی جو تھی وہ مجلسِ شوریٰ تھی۔ دوسری میں مہاجر صحابہ

اور دوسرے قبائل کے سردار شامل تھے۔ ان کے اجلاس مسجد میں ہوتے تھے۔ ایک تیسری پارلیمان تھی جو آپ نے اس وقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے بنائی تھی۔ اس میں صرف اور صرف مہاجر صحابی تھے۔ پھر سی آئی ڈی کا محکمہ بھی آپ کے وقت میں قائم ہو چکا تھا، جو بڑا مضبوط تھا۔ دشمن کی خوب خبر لیتا تھا۔ اس محکمہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو کافی حد تک دبائے رکھا۔ مگر دشمن جڑ پکڑ چکے تھے۔ حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں انہوں نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی تخریب کاریاں ظاہر ہو گئیں، جس کے باعث آپ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کروایا تھا کہ کیا میں بھی مرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں میں دفن ہو سکتا ہوں، تو آپ نے فرمایا تھا کہ "بے شک"۔

بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ "پہلے میرے والد تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ، لیکن جس دن سے عمر گئے ہیں، اس دن سے میں جب حاضری کے لئے جاتی ہوں تو پردہ کر کے جاتی ہوں"۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ خلفائے راشدین میں سے

سوائے ایک خلیفہ کے کسی خلیفہ کا وصال طبعی موت سے نہیں ہوا تھا۔
ایک مجوسی غلام تھا، جسے لولو کہتے تھے اور جو عام طور پر فیبروز کے نام سے
مشہور تھا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ شکایت کی، شکایت
آپ نے سُنی، مگر وہ قابلِ توجہ نہیں تھی۔ اس لئے اس کو غصّہ آیا،
اور جب آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے تو اس نے آپ کو
خنجر سے پانچ یا چھ زخم لگائے۔ یہ ستائیس ذی الحج تھی۔ تین دن
تک آپ شدید زخمی حالت میں رہے اور یکم محرم الحرام کو آپ نے
وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ؕ

پھر اگلا سلسلہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ میں
کل تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اگر مجھے توفیق دی،
تو اس کے بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسن رضی اللہ
عنہ کے بارے میں بیان کروں گا۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا عَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ
سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ؕ
وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

میری انتہاء نگارش یہی ہے !
کہ تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں !

خدایا بجز تو الٰہ ندارم!

بجز ذاتِ پاکت پناہے ندارم!

نیم پاک دامن ز عصیاں بہ خویشت

بجز لطف تو عذر خواہے ندارم!

بگیر از کرم دست من تا بہ محشر

بجز قدرتت من سپاہے ندارم

توئی واقف از عالمِ من خدایا

کہ در دہرِ من دستگاہے ندارم

ترایم ترایم مسافر

بجز نامِ تو زادِ راہے ندارم

ہزار سال بشویم دہن ز مشک و عنبر

ہنوز نامِ تو گفتم کمالِ بے ادبی است

اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مراتب و درجات میں بے شمار ترقیاں عطا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پہ اللہ تعالیٰ کے لاکھوں، کروڑوں، اربوں سلام ہوں۔ دیگر جو صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی آل اولاد، اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، اُن پر بے شمار درود و سلام ہوں۔

اے اللہ ! اس محفل کی برکت سے جو بچے حاضر ہیں اور جو نہیں حاضر ہیں، سب کو برابر کا اجر عطا فرمائیں۔ سب کی پریشانیاں دُور فرما۔ بندہ عاجز ہے، مگر تو بخشنہار ہے۔ اے گناہوں کو بخشنے والے، اے خطا کاروں کو بخشنے والے، غفور الرحیم۔ تیرے عاجز بندے اور بندیاں، تیری بارگاہ میں حاضر ہیں، جھولیاں پھیلائے ہوئے۔ دامن ان کے تنگ ہیں، انہیں جھولیاں اور دامن بھی عطا کر اور بھیک بھی عطا کر، مگر خیر و سلامتی کے ساتھ۔ انہیں ان کے گھروں میں چین عطا کر، سکون عطا کر۔ جن کے بچے یا بچیاں جوان ہیں اُن کو بر اچھی دے، اور نیک اور صالح اولاد دے، تاکہ وہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں۔

اے اللہ ! جتنے بھی حاضرینِ مجلس ہیں، تُو بہتر جانتا ہے کہ یہ سب مجھ سے بہتر ہیں، لیکن یہ تیری کریمی ہے کہ ان کے دلوں میں تُو نے کچھ ایسا ڈالا ہوا ہے کہ یہ مجھے مَسند پر بٹھا دیتے ہیں اور درس لیا کرتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ میں بھی سُننے والوں میں سے ہوں۔ میں سامع ہوں جس طرح یہ سامعین ہیں۔

کون بولتا ہے، کون سُنتا ہے، تُو جانتا ہے، سب کی مُرادیں پوری کر دے۔ جن عزیز بچوں کے معاملات اڑے ہوئے ہیں، جن کے بارے میں بار بار مجھ سے کہتے ہیں۔ اے اللہ! میری عرض

سُن لے۔ اپنے اس بوڑھے غلام کی ان شکایت کرنے والوں کے لئے، اوران سب کے معاملات حل کر دے۔ ان کو سکون عطا کیجیو۔

اے اللہ! ہمارے عزیز دوست، ابوالحسان، محمد رمضان قریشی، القادری صاحب، جو سنجھورو سے تشریف لائے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرما، خوشحالی عطا فرما۔ ہم سب کی عاقبت بہ خیر فرما۔ انجام بہ خیر فرما، عذابِ قبر حشر اور نزع کی سختیوں سے نجات عطا فرما۔ اے اللہ! میرے ماں باپ کے درجات بلند فرما۔ قبلہ بھائی جان علیہ الرحمۃ کے درجات بلند فرما۔

اے اللہ کریم! ان کی اتنی عنایات اور نوازشات ہیں، پیغام ہیں، ہم ان کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ صرف دُعا کر سکتے ہیں، انہیں قبول فرما۔ ہم جو ہدیہ ثواب بھیجتے ہیں، وہ ان تک پہنچ جائیں۔ آج یہ جو ہم نے محفل کی ہے، یہ ہدیہ تیرے پیارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام یہ قبول فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاں قبول ہو جائے۔ پنجتن پاک کے ہاں قبول ہو جائے۔ ہمارے خواجگان کے ہاں قبول ہو جائے۔ خواجہ شاہ محمد عارف کے ہاں قبول ہو جائے اور ہمارے مرشد پاک کے ہاں قبول ہو جائے۔

اے اللہ! بُری موت سے بچائیو۔ زمینی اور آسمانی بلاؤں سے بچائیو۔ اس وقت جو زمین کا پیٹ کھلا ہوا ہے اور وہ آگ برسا رہی

ہے، اور آسمان کی جو آنکھیں سُرخ ہیں، کبھی کسی ملک پہ اور کبھی کسی ملک پہ آفات آئی ہوئی ہیں، اے اللہ! ہمارے ملک کو اُن آفات سے محفوظ فرما۔ ہمیں کوئی امیر المومنین ایسا مردِ مجاہد عطا فرما جو کسی طرح پاکستان کو سیدھا کر دے، پاکستان کی گندگیاں دُور کر دے۔ اس کو صحیح معنوں میں پاگلستان کی بجائے پاکستان بنا دے۔ سارے پاک صاف ہو جائیں۔

اے اللہ! ان کے صدقے سے میرے بھی گناہ معاف فرما دے اور آخرت بخیر فرما۔ آمین!

ہم گناہگاروں پہ تیری مہربانی چاہیئے
سب گناہ دُھل جائیں گے رحمت کا پانی چاہیئے

اللہ تمہارے درجات بلند فرمائے۔ تمہیں بھی اپنے وقت کا ولی بنا دے، اور سلسلے کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

عزیزانِ من!

یہ جو مناجات پڑھی جاتی ہیں، یہ اس لئے ہیں کہ آپ مُرشد کی توقیر اور عظمت کو سمجھیں۔ جب مسافر کو اپنی منزل کا راستہ معلوم نہیں ہوتا اُسے نقشہ دے دیا جاتا ہے کہ یہ فلاں شہر ہے یہ فلاں شہر۔ یا یوں جائیے۔ یوں کیجئے۔ جب مرشد کامل ہاتھ آجائے تو اُن کا دامن نہ چھوڑیں۔ اگر تم نے اُن سے بیعتِ فقیری کی ہوئی ہے، یعنی بیعتِ سُلوک، تو پھر

تم فقیری کی راہ پہ چلو اگرچہ مشکل ہے۔ میں تم میں سے کسی کو نقشہ نہیں دُوں گا۔ کیوں کہ اس میں اپنے ہاتھ سے جنازے اٹھانے پڑتے ہیں۔ پریشانی ہوتی ہے۔ غم والم ہوتا ہے۔

اس فقیر نے بھی اپنے ہاتھ سے چار جنازے اُٹھائے، ایک دو نہیں۔ فقیری ایسے ہی نہیں مل جاتی۔ اس میں بڑے بڑے پہاڑ غم کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تنگی نہیں۔ اللہ کے فضل سے مجھے کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔ میں صاحبِ نصاب ہوں، زکوٰۃ دیتا ہوں، خیرات دیتا ہوں۔ دینی اداروں میں بھی عطیات دیتا ہوں۔ میں اپنے عزیز و اقارب کا بھی خیال رکھتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ”نکتہائے بصیرت“ میں آخر میں لکھا ہے، میں اپنی آمدنی کے حصے کر دیتا ہوں۔ پہلا حصہ میرا ہے۔ اپنا حصہ نکال کر پھر میں اللہ کا حصہ نکالتا ہوں، پھر ان سب کا۔ بہت خوشحال ہوں، مجھے تنگی کوئی نہیں ہے۔ نہ تم حصہ مارو، نہ تمھیں تنگی ہوگی۔

اب ختم کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تحفہ آپ سب کو عطا کروں۔

کسی کو کوئی تکلیف ہو، مثلاً دماغ میں وسوسہ آتا ہو، وہ آپ رضی اللہ عنہ کا اسمِ پاک سینے اور پیشانی پر انگلی سے لکھ دے، نیند نہ آتی ہو یا چیزیں ڈراتی ہوں، کوئی بھوت پریت چمٹ جائے، وہ

صبح فجر کے وقت اور رات سوتے وقت آپ رضی اللہ عنہ کا اسم پاک سینے اور پیشانی پہ لکھے۔ انشاء اللہ پھر کوئی بھوت پریت نہ آئے گا بشرطیکہ عقیدہ صحیح ہو۔ اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اس میں آپ کو نماز کے اندر وسوسہ نہ آئے گا۔ شیطان کا حملہ بھی کم ہو جائے گا اور نماز دل لگا کر پڑھیں گے اور جسم آپ کا ہلکا پھلکا رہے گا۔

میں چاہتا تھا کہ آپ کو یہ تحفہ عطا کروں، آپ بھی موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ میں اس کی اجازت دیتا ہوں، اس لئے کہ اجازت ضروری ہے۔ میں سب کو اجازت دیتا ہوں، جتنے بھی ہیں۔ تاکہ سب اس سے استفادہ کریں۔ میں نے قبر میں کچھ نہیں لے جانا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے چار پانچ کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے فقیری دلوائی مگر وہ آگ کو برداشت نہ کر پائے، دھاڑیں مار کے رونے لگے۔ اور کہنے لگے کہ جی، جسم کو آپ نے آگ میں ڈال دیا ہے، خدا کے واسطے اسے نکال دیں۔

جب تک دنیا ساتھ لگی ہوئی ہے، یہ راستہ بہت مشکل ہے۔ تو دوسرا راستہ یہ ہے کہ بعیتِ مریدی پہ قائم رہے۔ مرشد جو اوراد دیتے ہیں، جب دنیا کے بوجھ سے فارغ ہو، وہ اوراد پڑھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرے۔ اس لئے کہ درجۂ ولایت میں ثواب

بھی سب ہیں۔ اور کوئی ذکر جب شروع ہو جائے، کسی بھی ذکر کا، تو اسی وقت اس کا ادنیٰ درجہ ولایت میں لکھا جاتا ہے۔ ولی اسی میں ہوگا۔

پھر ذکر جوں جوں بڑھتا ہے تو پھر سلطان الاذکار عطا ہوتا ہے، یعنی تمام ذکروں کا سلطان۔ اسے اگر کوئی یک لخت کرے تو اس کی ناک سے اور اس کے منہ سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ تین دن زندہ رہے گا۔

تو یہ جو دوسرا راستہ ہے اچھا ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھو۔ اوراد پڑھو۔ تلاوتِ کلام پاک کرو۔ اپنے بچوں کے حقوق ادا کرو۔ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو۔ جو کرنا ہے کرو۔ جو نوکری ہے وہ نوکری بھی دیانت داری سے کرو۔

حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ مُحمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف ”افضل سرکار“ رحمۃ اللہ علیہ

۸ / اکتوبر ۲۰۰۱ء

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی حَبِیۡبِهِ الۡکَرِیۡمِ

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امّابعد۔ عزیزانِ من !

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد، خلفائے راشدین میں سب سے پہلے خلیفۃ المومنین، سیّدنا حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے۔ چونکہ آپ مسند خلافت پر تمام صحابہ کرام کی اتفاق رائے سے بیٹھے۔ اِسی وجہ سے آپ کو خلیفۃ الرسول کہتے ہیں۔ آپ کی مدت خلافت دو سال چھ ماہ کے قریب رہی۔

آپ کی عمر شریف ایک روایت کے مطابق پینسٹھ سال تھی۔ آخری

عمر میں آپ نے خلافت کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کو نامزد فرمایا اور یہ خستم شریف جو ہے یہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کا ہے۔

آپ کا نسب نو پشتوں کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب آپ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس وقت بھی آپ ہر لحاظ سے اہلِ قریش کی مانی ہوئی شخصیت تھے۔ آپ نبوت کے آٹھویں سال اسلام سے مشرف ہوئے۔

خلیفہ بن جانے کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے کہا تھا کہ عمرؓ کے لئے بیت المال سے دو جوڑے درکار ہیں۔ ایک موسم سرما کے لئے ایک موسم گرما کے لئے۔ اور سواری صرف اس قدر درکار ہے جو سفر حج اور عمرہ اور جہاد کے لئے کافی ہو۔ اور آپ نے اہل وعیال کے گزارے کے لئے بیت المال سے اس قدر لیا جو اہلِ قریش کے ایک متوسط آدمی کے لئے درکار ہو، جو نہ زیادہ غریب ہو نا امیر۔ ہجرت کے سترہویں (۱۷) سال میں آپ نے کوفہ شہر کی بنیاد ڈالی کیونکہ مدائن کی آب و ہوا اہل عرب کو موافق نہ آئی تھی۔

آپ کے عہد میں دو اسلامی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ ایک بصرہ میں اور ایک کوفہ میں۔

ہجرت کے اکیسویں سال میں آپ نے مسجد نبوی کی توسیع کرائی۔

ایام جہالت میں ایک رسم تھی کہ ہر سال ایک نہایت ہی خوبصورت جوان لڑکی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا تھا۔ لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جس سال ایسا نہ کیا جائے، دریائے نیل میں پانی رک جاتا تھا یا ارد گرد کے علاقوں میں سیلاب آجائے۔ فتح مصر کے بعد جب عورت کو ڈبونے کا موسم آیا تو مصر کے گورنر نے امیر المؤمنین کی خدمت میں خط لکھا کہ اب کس چیز کی قربانی کرنی چاہیے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم ایک خط بھیج رہے ہیں، اسے دریائے نیل میں ڈال دو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا کا پانی چلنے لگ جائے گا۔

جب دریا کا پانی جوش میں آکر رُک گیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر المؤمنین کا خط پانی میں ڈال دیا۔ خط کے ڈالتے ہی پانی اتر گیا اور پہلے کی طرح بہنے لگا۔ اب اس خط کے الفاظ کیا تھے، آپ بھی سُنیئے۔ وہ الفاظ یہ تھے کہ "اے آب نیل، اگر تو خود ٹھہر گیا ہے، تو یہ درست نہیں، اگر تیرا چلنا خداوند تعالیٰ کے فرمان سے ہے تو ہمیں تیری پرواہ نہیں، اور میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں تاکہ تو اپنے سر کو بنائے اور اپنا چہرہ زمین پر مل کر پہلے کی طرح چلنا شروع کر دے۔" اس خط کے ڈالتے ہی دریائے نیل نے پہلے کی طرح چلنا شروع کر دیا۔

آپ کی حکومت کے دوران اسلامی سلطنت کے حدود بہت بڑھ گئے۔ ناوان اور ہمدان ہجرت کے اکیسویں سال میں فتح ہوئے بائیسویں سال میں آذربائیجان فتح ہوا۔ اسی سال حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے ریھ فتح کر کے گردونواح کے علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

پھر خراسان پر حملہ ہوا۔ وہاں کا حاکم لڑائی کے بغیر بھاگ گیا کئی علاقوں کے بادشاہوں نے بغیر لڑائی کیئے ہوئے خراج دینے کا وعدہ کیا ترکستان کے لوگوں نے اہل اسلام سے صلح کر کے پانچ لاکھ درہم بیت المال میں جمع کرا دیا۔ اسی طرح کئی ملک یکے بعد دیگرے فتح ہوئے۔

اسی طرح اسلام کی شان و شوکت میں بے حد اضافہ ہوا۔

آپ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے تاریخ ہجری مقرر کی۔

پہلے شخص جو جامع قرآن بنے وہ آپ تھے۔

پہلے شخص جنہوں نے لوگوں کو اپنی مساجد میں نماز تراویح کے لئے جماعت کا حکم صادر فرمایا، وہ آپ تھے۔

پہلے شخص جنہوں نے شراب خوری کے لئے ستّر کوڑوں کی سزا مقرر کی وہ آپ تھے۔

پہلے شخص جنہوں نے بیت المال قائم کیا، وہ آپ تھے۔

پہلے شخص جنہوں نے غیبت گوئی کی سزا مقرر کی، وہ آپ تھے۔

پہلے شخص جنہوں نے نماز جنازہ کی چار تکبیروں کا حکم دیا، وہ

آپ تھے۔ اس سے پہلے چار چار، پانچ پانچ، چھ چھ تکبیریں کہا کرتے تھے۔

پہلے شخص جنہوں نے اسلام میں وقف جاری کیا، وہ آپ تھے

پہلے شخص جنہوں نے دُرّے کا استعمال شروع کیا، وہ آپ تھے۔

ایک دن آپ نے مسجد نبویؐ کے منبر پر چڑھ کر فرمایا: "اے مسلمانو! مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ ایک مرغی نے دو یا تین دفعہ مجھے اپنی چونچ ماری ہے۔ بلا شبہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میری موت قریب ہے۔" آپ نے مزید فرمایا کہ "اگر میری موت جلدی واقع ہو جائے، تو خلافت کے متعلق چھ اصحاب سے مشورہ کیا جائے۔ وہ اصحاب یہ ہیں۔

حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ)

حضرت علی المرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ)

حضرت سعد (رضی اللہ عنہ)

حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ)

حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ)

لوگ ان چھ اصحاب میں سے جسے خلافت کے لئے پسند کریں، خلافت اس کے سپرد کی جائے۔

چند دنوں بعد ایک جہنمی، جس کا نام ابو لولو المعروف فیروز تھا، نے آپ پر خنجر کا وار کیا۔ تین دن کے بعد آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔ آپ کی ایک صاحبزادی حفصہ تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے تھیں۔

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی عجیب ایمان افروز ہے۔ آپ اپنی ہمشیرہ کے گھر کی طرف گئے۔ وہاں پہنچ کر خاموش کھڑے رہے۔ آپ کی ہمشیرہ اور ان کا خاوند قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ آواز سنتے ہی عمر (رضی اللہ عنہ) غیض وغضب میں آگئے۔ اور ان کو جان سے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ جب آپ نے دروازہ کھولنے کے لئے آواز دی تو آپ کی ہمشیرہ اور بہنوئی نے جلدی سے کلام پاک کو چھپا دیا۔ جب آپ نے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے تھے تو انہوں نے بے خطر ہو کر کہا کہ وہ اللہ کے کلام کی تلاوت کر رہے تھے۔ ان کو بے حد مارا، مگر انہوں نے اسلام چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

آپ کے لئے حکم تو ہو چکا تھا۔ بس اس گھڑی کا انتظار تھا،

کیوں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ عمر یا ابو جہل سے دین اسلام کی مدد فرمائیے۔ یعنی ان میں سے کسی ایک کو مسلمان بنائیے۔ چنانچہ حضرت عمر کو اللہ تعالےٰ نے قبول کیا۔ اور انہیں یہ شرف بخشا۔ اور اب اس شرف کے عطا ہونے کا وقت آگیا تھا۔

جب آپ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو مارنے کے بعد دیکھا کہ انتہائی بُری حالت کے باوجود انہوں نے اسلام چھوڑنے سے انکار کردیا، تو آپ نے اپنی بہن سے کہا: "مجھے بھی سناؤ جس کی تم تلاوت کر رہی تھی"۔

جب تلاوت شروع ہوئی تو آپ کا دل موم کی طرح پگھل گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ آپ سیدھے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ لوگوں نے جب دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عُمرؓ آرہا ہے، اگر وہ غلط ارادے سے آیا ہے تو ہم اپنی جان بھی آپ پر قربان کر دیں گے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِن کو مت روکو آنے دو"۔

چنانچہ جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "عمرؓ، کس ارادے سے آئے ہو؟" کہا: "یا رسول اللہ! آپ ہم کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیے"۔

بس پھر کیا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونج اُٹھی۔ یہ خبر آگ کی طرح کفار میں پھیل گئی۔ کفار حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے کانپتے تھے۔ کوئی بول نہیں سکتا تھا۔ آپ کی بہادری اور شجاعت کا بھی جواب نہیں تھا۔

آپ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کفار خانہ کعبہ شریف میں نماز پڑھنے نہیں دیتے تھے۔ اس لئے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے اعلان کیا کہ آج سے نماز کعبہ شریف میں ہوگی۔ چنانچہ دوسرے روز سے اذان بلند ہوئی اور نماز شروع ہوگئی اور کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار خلفائے راشدین میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر بے مثال تھا۔ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ عُمر کی زبان سے حق بولتا ہے اور پھر یہ بھی فرماتے کہ ”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو عُمر ہوتا۔“

اللہ تعالیٰ اُن پہ لاکھوں کروڑوں رحمتیں، ہر لمحہ نچھاور فرماتا رہے، اور اُن کے صدقے میں اُمّتِ محمدیؐ کو سچے مسلمان بنادے اور اُن کو کفار کے ظلم سے نجات دلائے۔ (آمین۔ ثم آمین)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی)، قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

۶ مئی ۱۹۹۶ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

امّا بعد، عزیزانِ من!

مسلمانوں کی تاریخ بڑی دردناک واقعات سے بھری پڑی ہے۔

ان دردناک واقعات میں سے ایک عظیم واقعہ شہادت سیّدنا حضرت عثمان غنی، ذوالنورّین رضی اللہ عنہ، خلیفۂ سوئم ہے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ میرے بعد خلافت راشدہ تیس سال اور چند مہینے رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو خلافت راشدہ میں سب سے پہلے امیر المومنین سیّدنا حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، بنے۔ تیسرے حضرت عثمان غنی،

ذوالنورین رضی اللہ عنہ، تھے۔ اور چوتھے سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ جب آپؐ کی پہلی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان غنی سے اتنی محبّت تھی کہ آپؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی کی شادی بھی ان سے کردی۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

جب اس صاحبزادی کا بھی انتقال ہوگیا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں وہ بھی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہی دیتا"۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے جب خلافت کی ذمّہ داری سنبھالی تو یہودیوں، عیسائیوں اور منافقوں کی سازشیں زوروں پر تھیں۔ اس لئے اندر ہی اندر، کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کرتے رہتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہایت امیر کبیر تھے، اور سخاوت میں بھی کمال درجہ رکھتے تھے۔ مختلف ممالک میں جو گورنر تھے، ان میں سے اکثر آپ کے رشتہ دار تھے۔ آپ نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بے دریغ خرچ کیا۔ پانی کی بے حد تنگی تھی۔ ایک یہودی کا کنواں تھا جس کا پانی وہ بہت مہنگے داموں بیچتا تھا۔ آپ نے اس سے کہا: "آدھا کنواں بیچ دو"۔ اور اس کے ہاں کہنے پر آپ نے بہت کثیر رقم دے کر آدھا کنواں خرید لیا۔ جس سے مسلمانوں کو بے حد آرام ہوگیا۔ اب اس

یہودی کے کنویں کا جو حصّہ باقی تھا، اس میں سے پانی بہت کم نکلنے لگا۔
جب آمدنی بہت کم ہونے لگی، تو اس نے خود ہی آپ سے کہا کہ دوسرا
حصہ بھی سستے داموں میں آپ ہی خرید لیں۔ چنانچہ آپ نے وہ حصّہ بھی
خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

قرآن پاک کے حصّے بکھرے ہوئے تھے۔ اپنے عہد میں آپ نے
یہ بکھرے ہوئے حصے سب ایک ایک کر کے جمع کیے۔ کوئی نسخہ کسی کے
پاس تھا اور کوئی نسخہ کسی اور کے پاس تھا۔ یہودیوں نے کوشش کی کہ اس
بات پہ بھی فتنہ کھڑا کیا جائے۔ اس وقت یہودیوں کا سردار عبداللہ بن سبا
تھا۔ اس کی چالاکی، عیّاری اور عقلمندی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس
لئے شوشہ کھڑا ہونے سے پہلے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اس آنے
والے فتنے کا یوں قلع قمع کر دیا کہ تمام مستند نسخے اکٹھا کر کے قرآن کو ایک
جگہ جمع کر دیا۔ اس میں کوئی دقت نہ تھی کیونکہ قرآن کے سینکڑوں حافظ
موجود تھے اور کلام پاک ان کے سینوں میں محفوظ تھا۔ جب وحی اترتی تھی
تو اس وقت جو بھی صحابی موجود ہوتا اسے لکھ دیتا تھا۔ اس وقت کاغذ
نہیں تھا لیکن قرآن پاک کا جتنا حصّہ بھی نازل ہوتا تھا، وہ زبانی یاد کیا
جاتا تھا، اور یہ صرف قرآن پاک کا معجزہ ہے کہ یہ کتاب مومنوں کے سینے
میں محفوظ ہو جاتا۔ آج بھی دنیا میں قرآن پاک کے حافظوں کی تعداد لاکھوں
میں ہے۔

چنانچہ آپ نے اس جمع شدہ قرآن کی کاپیاں ایک مکہ مکرمہ، ایک یمن، ایک شام، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دی۔ روایت ہے کہ یہ سات کاپیاں تھیں۔ ایک کاپی مدینہ منورہ میں رکھ دی گئی تھی، اس کے علاوہ اگر کوئی نسخے تھے تو ان کو یا تو جلا دیا گیا، یا پانی میں غرق کر دیا گیا، تاکہ اس بارے میں کسی قسم کا فتنہ نہ اٹھ سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اسی واسطے آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔

یہودیوں نے لوگوں کو اندر ہی اندر سے اُکسا کر انہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے سخت خلاف کر دیا۔ اس لئے لوگوں نے کھلے بندوں شکایتیں کرنا شروع کر دیں کہ حضرت کے جو رشتے دار سرکاری عہدوں پر لگے ہوئے تھے، وہ بدعنوان ہیں۔ لوگوں کا ایک گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچا اور ان سے شکایت کی اور کہا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو سمجھائیں۔ آپ نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک شکایت کی پوری پوری تحقیقات کی جائے گی۔ چونکہ یہ سازش تھی، تو عبداللہ بن سبا یہودی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، کی طرف سے جعلی خط مصر، کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کو لکھے کہ تم لوگ مدینہ پہنچ جاؤ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے ہماری مدد کرو۔ مصر، کوفہ اور بصرہ میں لوگ بڑی تعداد میں آپ کے حامی تھے۔ اس لئے یہ جعلی خط پہنچتے ہی ایک ہزار باغی

کوفہ سے، ایک ہزار مصر سے اور ایک ہزار بصرہ سے مدینہ شریف پہنچ گئے۔ یہ سب لوگ پہلے مدینہ شریف کے باہر ہی جمع ہوئے، اور فیصلہ یہ کیا کہ مدینہ جانے سے پہلے ایک وفد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا کے کہے کہ ہم آ گئے ہیں، ہماری خدمات حاضر ہیں۔

چنانچہ یہ وفد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں پہنچا، تو عرض کی کہ آپ کا خط مل گیا، اسی لئے ہم حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ "کون سا خط؟ میں نے تو کوئی خط نہیں لکھا۔ یہ جعلی خط ہے۔" یہ سن گروہ گھبرا کے وہاں سے واپس اپنے کیمپ پہنچے۔ اب یہاں پر کھلبلی مچ گئی۔ عبداللہ بن سبا نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ وار خالی نہ جائے، اس نے مدینہ شریف اور ارد گرد کے علاقوں سے بھی جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض تھے، ان کو بھی اس گروہ میں ملا دیا، اور طے یہ پایا کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک یہ کام پورا نہیں کریں گے۔

مدینہ منورہ میں کوئی فوج تو تھی نہیں، اور نہ ہی مکہ معظمہ میں۔ اس لئے بس ان لوگوں نے شہر کی طرف مارچ کرنا شروع کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس موقع پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی ذاتی طور پر حفاظت کر رہے تھے۔ اب سارے منظر کو سامنے رکھیں۔ آپ گھر کے اندر کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ حملہ ہو چکا تھا۔ آپ نہایت

سکون قلب سے اسی طرح کلام پاک کی تلاوت کرتے رہے۔ روایت ہے کہ محمد بن ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے آکر آپ کی ریش مبارک پکڑ لی اس پر آپ نے فرمایا: "اے بیٹے، اگر تیرا باپ زندہ ہوتے، تو آج اس داڑھی کی وہ بھی شرم کرتے"۔

یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا، اور باہر چلا گیا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی جو چھوٹے قد کا تھا اور جس کا نام روان بن سرحن تھا، خنجر تان کر آپ کے سر پر جا پہنچا اور آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کے خون کے قطرے قرآن مجید پر جا گرے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ

آپ کی خلافت کی مدت پندرہ سال، گیارہ ماہ اور اٹھارہ دن کی تھی۔ روایت ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر شریف نوے سال تھی اور ہجرت کے پینتیسویں سال جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ شہادت کے وقت سورہ لبقرہ تلاوت کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب اور درجات میں ہر لمحہ، ہر سانس ہزاروں درجے اضافہ کرے، اور آپ پر بیشمار رحمتیں، برکتیں اور خصوصی نور کی بارش ہمیشہ ہمیشہ کرتا رہے اور انکے صدقے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امتیوں کی مغفرت فرمائے۔ ہمارے گناہ بھی معاف فرمائے ساری دنیا میں مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنائے اور اسلام کو غلبہ دے۔ ہمارے ملک میں بھی لوگوں کے دلوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیاروں کی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

مولائے کائنات، حضرت علی کرم اللہ وجہہ
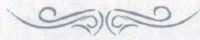
ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

۱۵ مئی ۱۹۹۷ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عزیزانِ من !

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے انتہا کریمی ہے اس عبدِ غریب پر کہ آج موقع عطا ہو رہا ہے کہ مجھے ایک عظیم المرتبت ہستی، مولائے کائنات مُشکل کُشا، مظہر العجائب والغرائب، اسد اللہ غالب سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی شان میں کچھ مدح بیان کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔

عزیزانِ من !

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم، جن پہ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں کھربوں درود وسلام ہر لمحہ، ہر لحظہ، کے پردہ فرمانے کے بعد یہ ضروری ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نائب منتخب کر لیا جائے۔

نامزد نہ کیا جائے بلکہ منتخب کر لیا جائے اور اس انتخاب کے لئے جن اوصاف حمیدہ و جلیلہ کی ضرورت تھی وہ مجلس شوریٰ کے افراد میں موجود تھے۔ وہ اتنے زاہد و متقی و پرہیزگار تھے کہ ان کی نظریں انتخاب کے معاملہ میں خطا کھانے والی نہیں تھیں۔ پہلے جو نائب ہوئے وہ امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عالی مقام ہوئے۔ جن کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ فرمایا "میں نے سب کے احسان چُکا دیئے سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ اور قیامت والے روز ہی ان کا حساب چکایا جائے گا۔" آپ، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے رفیقِ غار بھی تھے اور پھر ساتھ ساتھ رہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں یہ سوچا کہ آج میرا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہے۔ یہ ایک غزوہ تھا، جس کے لئے لوگ پیش کر رہے تھے جو، اُن کے پاس تھا۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا "کیا لائے ہو؟" عرض کیا "جتنا میرا مال و متاع تھا اس کا نصف لایا ہوں۔" اور وہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا "جو کچھ بھی میرے پاس تھا وہ میں لے آیا ہوں۔" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی حیرت سے پوچھا "اے ابوبکر، گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟" چونکہ آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت کا تعلق تھا، آپ نے جذب اور مستی میں کہا "یارسُول اللہ! گھر میں، میں اللہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کے آیا ہوں۔" یہ سُن کر حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے دل میں سوچا کہ آئندہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی مقابلہ نہیں کروں گا۔

جب حضرت ابوبکر کا وصال ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نائب ہوئے یعنی امیر المومنین ہوئے۔ آپ نے اُن کی بیوہ سے عقد کر لیا۔ دوسرے روز آپ نے پوچھا "مجھے کچھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شغل کے بارے میں بتاؤ"۔ تو انھوں نے کہا "پچھلے تین پہر رات کے وہ یادِ الٰہی میں گزارتے اور فجر کو ایک سانس لیتے تو اُس سے اُن کے جگر کے جلنے کی بُو آتی تھی جیسے گوشت جلنے کی"۔ تو آپ نے کہا "اور تو سب کام میں کر سکتا ہوں، لیکن ابوبکر کی طرح میں جگر سوختہ کیسے ہو سکتا ہوں۔ میں اپنا جگر کیسے جلاؤں"۔ پھر کہا "میں نے آپ کو طلاق دی۔ میری شادی کی غرض و غایت یہی تھی کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ سے معلوم کروں"۔

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے فہم و بصیرت کا یہ حال تھا کہ اکثر آپ کوئی رائے دیتے تو کچھ دنوں بعد اسی کے مطابق وحی آجاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا کوئی تو وہ عُمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اُس سے اللہ تعالیٰ بھی حجاب کرتے ہیں تو میں اس سے حجاب کیوں نہ کروں"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پہلی بیٹی کا عقد اُن کو دیا، جن کے وصال کے بعد دوسری کا دیا۔ وہ بھی وصال فرما گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو وہ میں عثمان کو دیتا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ان دو بیٹیوں کی شادی کی وجہ سے آپ کو عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا "دو نُور" اس کے بعد آپ کا وصال جس طرح ہوا وہ بڑا دردناک ہے۔

عزیزانِ من!

جہاں سلطنت ہوتی ہے وہاں فتنہ بھی ہوتا ہے۔ اب دیکھئے اگر آپ کسی کو فتح کرتے ہیں گھر اکھاڑتے ہیں، تو یہ معمولی بات نہیں مسلمانوں کی شمشیریں نکلیں، دعوتِ حق دی، جنھوں نے مانا انھوں نے اسلام کو قبول کیا، جنھوں نے نہیں مانا تو اُن کو ذمّی قرار دیا اور انھیں جزیہ ٹیکس دینا پڑتا۔ جس کے بعد ان کی جان، مال، عزّت، ہر ایک چیز کی حفاظت حکومت کے ذمّہ ہو جاتی، اُن کی مرضی کہ دونوں میں سے کوئی چیز قبول کرتے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کوئی بھی صورت قبول نہ کرتے تو پھر اُن پر تلوار اُٹھائی جاتی۔ یہودیوں کی بہت بڑی سازش تھی۔ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ اگر آپ اُن کا Protocol پڑھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ اس کے ایک سو کے قریب پوائنٹس ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ساٹھ، ستّر، اسّی یا سو (۱۰۰) سال کے بعد اُن کو ساری دُنیا پہ حکمرانی کرنی ہے اور دیکھئے وہ اسی پروٹوکول کے مطابق چل رہے ہیں۔ اُن کے آدمی گیس چمبر میں بھی گئے۔ مگر جو اُن کا پروگرام تھا اس نے جڑ پکڑ لی اور جڑ کیا ہے؟.....

امریکہ یہودیوں کا غلام ہو چکا ہے، تو جس کا امریکہ غلام ہے اس کی ساری دُنیا غلام ہے۔ یہودی بذاتِ خود کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس وقت اگر عرب ممالک، جو چالیس کے قریب ہیں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیں تو اُن کے پیشاب میں یہ بہہ جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہے۔

اگر آپ انور سادات کے Memoirs پڑھیں، مصر کا جو پریذیڈنٹ

تھا، جو پہلے ائیر فورس میں تھا وہ لکھتا ہے کہ" میرے دل میں ایک ارمان تھا کہ میں یہودیوں کے غرور کے بُت کو پاش پاش کر دُوں، یعنی اُن کے اندر جو Invincibility کا آئیڈیا ہے کہ "Nobody conquers them" should be settled to the ground.

اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ جہاں جتنی بھی کمانڈ تھی وہ میں نے اپنے ہاتھوں میں، یعنی ذاتی کمانڈ میں لے لی۔ پھر میں نے خود آرڈر دینے شروع کر دیئے، کمانڈر جنرل کی حیثیت سے، تین دن کے اندر اسرائیلیوں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور آہ و بکا ہوگئی جس کے بعد امریکہ کی فوجیں فوراً ایکشن میں آگئیں۔ آدمی حقیقت پسند تھا لہٰذا آگے لکھتا ہے کہ اب تو میں امریکہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایسی صورت ہوئی کہ انھوں نے Withdraw کیا اور کچھ نقصان بھی ہوا۔ تو اس وقت بھی یہودی امریکہ کے بَل بوتے پر ساری دُنیا کو ناچ نچا رہا ہے۔ یہ آج سے نہیں، شروع سے ان کی فطرت یہی ہے۔ انھوں نے نبیوں کو بھی بڑا تنگ کیا۔ جب اسلام پھیلا، دعوت دی گئی تو اس وقت کُفّار بھی تھے، مشرک بھی تھے، بُت پرست بھی تھے، مجوسی بھی تھے، آتش پرست بھی تھے، عیسائی بھی تھے۔ مگر سب سے زیادہ فتنہ پرور اور خطرناک قوم یہودی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں عالم بہت تھے اور پڑھے لکھے بہت تھے، ان کی ذہنی ارتقاء جو تھی وہ ایک مقام پہ تھی، سازشی دماغ تھے اور سازشیں تیار کرتے تھے اور ان سازشوں سے انھوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو انھوں نے آخری دم تک چین

نہیں لینے دیا۔ ان میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جنھوں نے زبان سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تو پڑھ لیا لیکن دل سے وہ پکے منافق تھے۔

ایک یہودی تھا جس کا نام عبداللہ بن سباح تھا وہ نہایت ہی خطرناک، نہایت ہی شاطر اور چالباز تھا۔ یہودیوں کے سامنے یہ چیز تھی کہ مسلمانوں کو کس طرح شکست دی جائے تو انھوں نے سوچا کہ پہلے ان کی تعمیرِ شخصیت یعنی Character development کو روک دیا جائے۔ وہ کس طرح کیا جائے؟ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے دل سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت نکال دی جائے۔ جب وہ جذبہ ہی نہیں رہے گا اور وہ نُورِ ایمان ہی نہیں رہے گا تو پھر یہ گاجر مولیاں ہم صاف کر دیں گے۔ اس منصوبہ کو مدِّنظر رکھ کے وہ آگے بڑھے اور اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے سوچا کہ مُسلمان بن کے اُن کے عقائد اپنائیں اور اُن کے اندر داخل ہو جائیں۔ پھر اُن کے عقیدوں میں اپنے بھی فاسد عقیدے ساتھ ساتھ شامل کرتے رہیں۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کرتے رہیں، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، یہ نور نہیں ہیں، فلاں ہیں، وہ ہی تو کرتے ہیں، اور جب یہ صورت ہوگی، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت نہیں رہے گی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہلِ بیت کی محبت بھی نہیں رہے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "میں تمھارے درمیان دو بہت ہی عمدہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان دونوں کو تھامو گے تو گمراہ کبھی نہیں

ہو گئے۔"

جب اللہ اور رسولؐ کی محبت نکل گئی تو شبہات شروع ہو جائیں گے۔ سورۂ بقرہ کی شانِ نزول کیا ہے؟ یہ کلام پاک کی سب سے بڑی سورۂ ہے۔ یہ نازل اس واسطے ہوئی کہ مدینہ شریف میں مسلمان تو پڑھے لکھے تھے ہی نہیں۔ اُن کی تعلیم ابھی شروع کی ہی تھی۔ تو وہ جب مسلمان آئے گروہ در گروہ، تو اُن کے اندر اپنے دو تین آدمی چھوڑ دیئے اور وہ کلام پاک کے بارے میں، اسلام کے بارے میں ایسے ایسے پیچیدہ سوال کریں کہ اُن کے بس کی بات نہیں تھی کہ جواب دیں، وہ آکے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتاتے۔ بڑی پریشانی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو اسلام کے لئے تیار کیا جا رہا ہے وہ دیواریں منہدم کی جا رہی ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ بقر کا نزول فرمایا اور جتنے یہودیوں کے سوال تھے اور جتنے انھوں نے کرنے تھے، سب کے جواب اس میں موجود ہیں۔ جب سورۃ بقر کا نزول ہوا تو یہودی بھاگ گئے، میدان چھوڑ گئے کہ اب ہماری دال نہیں گلے گی لیکن اندر اندر لگے رہے۔

ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو اہلِ بیت ہیں اُن کی فضیلت بالکل مٹا دو تاکہ لوگ بھول جائیں۔ جب اللہ و رسولؐ کو بھولیں گے تو انھیں بھی بھولیں گے۔ چنانچہ ہر خلیفہ کے وقت انھوں نے بڑے طوفان نازل کئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت جو ہے (قصہ لمبا ہے یہاں صرف اشارتاً کہتا ہوں) کہ آپ کلامِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے، آپ کے گھر پہ حملہ ہوا اور

حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کچھ لوگوں کے ساتھ باہر تھے، انھوں نے مقابلہ کیا اور زخمی بھی ہوئے، پھر حملہ آور اندر آگئے تو ان میں سے ایک شخص نے آپ کی داڑھی پکڑلی، آپ کلام پاک پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لڑکا تھا۔ آپ نے بس اتنا ہی کہا "بھتیجے آج اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو اُسے یہ فعل کرتے ہوئے بڑی شرم آتی۔ وہ کبھی نہ کرتا" بس اسی بات نے چوٹ ماردی، داڑھی سے ہاتھ ہٹالیا اور چپکے سے گھر سے نکل گئے۔ دو اور شخص تھے انھوں نے حملہ کیا۔ مدینہ شریف میں فتنہ انگیز لوگ پہنچ چکے تھے۔ آپ شہید ہوئے، اُس وقت کلام پاک کی یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝"

ترجمہ:۔ "اور اللہ کافی ہے، وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے"۔

آپ کی لاشِ مُبارک تین دن تک پڑی رہی۔ دفن کرنا پرابلم تھا۔ تین دن کے بعد اندھیرے میں آپ کی لاش لے جائی گئی۔ کُل سترہ آدمی تھے۔ اس کے بعد خلیفۃ المسلمین کو بنانا تھا کسی کو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو تھے وہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں نے یلغار کی کہ آپ امیر المومنین بنیں۔ آپ نے کہا "میں ہرگز نہیں بنوں گا۔ آج تمھیں میرا خیال آگیا۔ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ مجھے امارت کی ضرورت نہیں ہے، کسی عہدے کی ضرورت نہیں ہے"۔ ایسا کیوں تھا؟ یہ میں آگے بیان کروں گا۔ کیونکہ آپ فقر کے بادشاہ تھے۔ معرفت سے آپ کا سینہ اتنا لبریز تھا کہ آپ منبعٔ معرفت تھے۔ اس لئے ولایت جو ہے، جب تک مولائے کائنات

سے اس کی منظوری نہیں ہوتی، اُس وقت تک وہ تسلیم شدہ نہیں ہوتی جب لوگوں نے بہت مجبور کیا تو پھر آپ نے قبول کیا۔

شام میں امیر معاویہ بائیس تیئس برس سے حاکم تھا یعنی گورنر تھا۔ آپ نے اسے خط لکھا کہ انصار اور مہاجرین نے مجلسِ شوریٰ میں مجھے امیر المومنین منتخب کیا ہے اور انھوں نے جو سُنّت رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی چلی آرہی ہے، اسی کے مطابق کیا ہے۔ اس واسطے امیر المومنین کی حیثیت سے اب تم پر واجب ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور یہاں آکے بیعت کرو۔"

امیر معاویہ نے ایک خط میں لکھا "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" اوپر — "منجانب امیر معاویہ" اور بس۔ خالی کاغذ واپس کر دیا۔ تو خیر میں نے تمہید کے طور پر ضروری سمجھا کہ بتاؤں کہ آپ نے کن حالات میں عہدہ سنبھالا۔

جونہی آپ نے امیر المومنین کی ذمہ داری سنبھالی، شور اٹھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کے قتل کا بدلہ لیا جائے۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی جذباتی ہو گئی تھیں۔ اُن کو غلط حقائق دیئے گئے اور لوگ بھی تھے اُن کو بھی غلط رائے دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اوّل تو میں ابھی بیٹھا ہوں۔ میرے پاس ایسی قوّت نہیں کہ میں اُن کی سرکوبی کر سکوں۔ دوسرا میں جب تک ملزم کی تصدیق نہ کر لوں کہ یہ ملزم ہے میں اسے سزا نہیں دے سکتا، اس کا قتل اس وقت واجب ہو گا جب پورے ثبوت فراہم ہو جائیں کہ یہ قاتل ہے۔ چنانچہ آپ

نے جب تصدیق کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے کہا کہ میں نے حضرت ابوبکر کے بیٹے کو دیکھا تھا دو اور لوگ تھے ۔ آپ نے اُن کو طلب کیا، انھوں نے کہا کہ میں قتل کے ارادے سے گیا تھا، لیکن جب میں نے داڑھی پکڑی تو انھوں نے یہ جملہ کہا تو مجھے شرم آگئی اور میں چھوڑ کے باہر چلا گیا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا" ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ چھوڑ کے چلا گیا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ باقی دو آدمی کون تھے جنھوں نے قتل کیا۔

خیر، میں نے آپ کو بتایا کہ کن حالات میں آپ امیر المومنین رضی اللہ عنہ بنے تھے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ میں آپ کی حیاتِ مُبارکہ کے متعلق تعارف کروں۔ عزیزانِ من! دوسرے مذاہب میں چھوٹے بچّے بھی اپنی تاریخ سے واقف ہیں۔ اُن سے اگر ذرا گفتگو کریں تو آپ حیران ہو جائیں گے۔ ہمارے بچّے جو ہیں وہ صرف مسٹر ہی رہ گئے ہیں۔ گھر یلو تعلیم دلائی تو ہے۔ لیکن اگر کوئی انھیں دین سے گمراہ کرنے کے لئے مل جائے تو وہ آنِ واحد میں اُن کے ہم خیال ہو جائیں گے۔ پھر گئے وہ ہاتھ سے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابو طالب کے صاحبزادے تھے اور ابو طالب حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے تھے۔ قریش قبیلہ میں ایک بنو ہاشم اور ایک بنو امیہ، یہ دونوں لڑیاں عبد المناف سے ہیں۔ امیر معاویہ بنو امیہ سے تھے اس لئے بنو امیہ کہلاتے تھے۔ لیکن شروع سے ان دو قبیلوں کے درمیان چشمک چلی آرہی تھی۔ امیر معاویہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بہت قریب تھا اور کاتبین وحی میں سے یہ بھی

ایک تھا۔

مختلف صوبوں کے لوگوں نے آ کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے عامل، گورنر زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب سے بڑا الزام تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو سمجھائیں۔ آپ گئے اور پھر واپس آ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا "اے برادر عزیز! بڑی شورش مچی ہوئی ہے۔ لوگوں میں بے چینی ہے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ آپ کے جو امیر ہیں یا اُمراء ہیں، یا حاکم ہیں اُن کا مواخذہ سختی سے کریں اگر وہ سزا کے قابل ہیں تو انھیں سزا بھی دیں۔"

بات یہ تھی کہ ان میں زیادہ جو عامل تھے وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ آپ نے ایک ٹیم بھیجی۔ اس نے آ کے رپورٹ دی کہ آپ سے جو یہ کہا جا رہا، یہ شکایات غلط ہیں، ایسا نہیں ہے، سب ٹھیک ہے۔ پھر ایک دفعہ جب یلغار کر کے یہ چڑھ آئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس دوبارہ آئے اور کہا "اے علی کرم اللہ وجہہ میری قرابت داری بھی ہے تجھ سے۔" آپ نے کہا ٹھیک ہے۔ فرمایا "میرا تم پہ کوئی حق بھی ہے۔" آپ نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر کہا "یورش ہوئی ہے، لوگ وہاں چڑھائی کر بیٹھے ہیں اور کچھ ایسی صورت نکالیں کہ صُلح ہو جائے۔ اور وہ واپس چلے جائیں۔" آپ نے کہا "میں نے آپ کو کتنی دفعہ کہا تھا کہ آپ کے جو عامل ہیں انھوں نے اندھیر نگری مچائی ہوئی ہے، اس وقت تو آپ نے میری بات نہیں سُنی۔ آج جب یہ مصیبت کھڑی ہو

گئی ہے تو اب آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں"۔

اس پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کہنے لگے "نہیں میں آیندہ ایسا نہیں کروں گا"۔ پھر آپ دوسری دفعہ گئے اور آپ نے لوگوں کو سمجھایا، لیکن انھوں نے آپ کی بات نہیں مانی۔ اس پر آپ نے جلال میں آکر اپنا عمامۂ فضیلت جو سَر پہ تھا، وہ اُٹھا کر پھینک دیا اور وہاں سے چلے آئے۔ آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا "بیٹا اپنی شمشیریں نکال لو اور عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرو"۔ چنانچہ وہ دونوں اور کچھ اور لوگ ساتھ چلے گئے۔

حضرت ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم دُرِّ یتیم ہو گئے اور والدہ کا بھی انتقال ہو گیا پھر اس وقت جب حضرت عبد المطلب کے انتقال کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ "محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم کا خیال رکھنا یہ مجھے بڑا پیارا ہے، اس کو کوئی تکلیف نہ ہو"۔ ایک نے کہا مجھے دیجئے، دوسرے نے کہا مجھے، تیسرے نے کہا مجھے۔ ابو طالب نے کہا "میرا حق زیادہ ہے"۔ چنانچہ انھی کے سپرد کر دیا۔ ان کی بیگم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو اتنا پیار کرتی تھیں کہ ماں سے بھی بڑھ کر، پہلے آپ کو کھلاتی تھیں اور اس کے بعد اپنی اولاد کو۔ قضائے الٰہی سے وہاں خشک سالی ہوئی، قحط پڑ گیا۔ اس وقت تنگی ہو گئی، آمدنی کے ذریعے محدود ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آپ کے چچا تھے، سے کہا "دیکھو چچا ابو طالب آج مصیبت میں ہیں، کیوں کہ اُن کی اولاد کافی ہیں، اخراجات کافی ہیں، کیا یہ اچھا نہ ہو

گا اگر ہم ان کا ہاتھ بٹائیں"۔ آپ نے کہا بالکل۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا"ابھی تو میں بھیجتا ہوں، اس کے بعد آپؐ ان کا خیال رکھیں۔ اُس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ چھوٹے سے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی والدہ وصال سے پہلے اسلام لا چکی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا احترام تھا کہ جب ان کا وصال ہوا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہہ بند مبارک اُن کے اوپر ڈال دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دفنانے سے پہلے کچھ دیر تک اُن کی لحد میں لیٹے رہے جب بعد میں پوچھا گیا تو فرمایا"دُنیا میں عورتوں میں جو سب سے محترم میرے لئے ہے وہ فاطمہ ہیں، جس کو میں ماں کہتا ہوں۔ میں نے چوغا اس لئے ڈالا تاکہ اُس کو جنّت میں خلعت عطا ہو اور قبر کی زمین پر اس لئے لیٹا تاکہ اس کو قبر کے اندر کوئی تنگی محسوس نہ ہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو طالب سے بھی بڑی محبت تھی۔ کیوں کہ آپ اُن کے ساتھ رہے۔

سخت مصیبت میں ساتھ دیا۔ جب حقّہ پانی بند کر دیا، تو وہ بھی منظور کیا تو جب ان کا وقت قریب آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "چچا، کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اسلام لے آئیں"۔ کہنے لگے"میرے پیارے بھتیجے۔ مجھے کوئی عذر نہیں، لیکن اب اگر اس وقت کہوں گا، تو میں سارے قریش کے طعنوں کا نشانہ بنوں گا"۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سانس جب نکلنے کا وقت آیا تو ان کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت عطا ہوئی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ چھوٹے ہی تھے۔ انھوں نے ایک دن دیکھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کچھ پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے بڑے غور سے دیکھا، پھر پوچھا "آپ دونوں کیا پڑھ رہے ہیں؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "مجھے نبوّت پہ اللہ تعالیٰ نے فائز کیا ہے اور کفر و شرک سے منع کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور تبلیغ کے لئے کہا گیا ہے۔"

اس پر حضرت علی رضؓ نے کہا "اچھا، میں بھی اپنے والد صاحب سے پوچھ لوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہا "نہیں، ابھی نہیں، اگر تمھارے دل میں کوئی شک یا رکاوٹ ہے تو کوئی بات نہیں، جب دور ہو جائے گی، تب! مگر ابھی اعلان کا وقت نہیں، جب اعلان ہوگا پھر"، مگر آپ رات بھر سو نہیں سکے۔ ایک نور کا طوفان موجزن تھا۔ صبح اُٹھتے ہی آپ نے کہا "مجھے آپ مسلمان بنا دیں"۔ تو بچّوں میں سب سے پہلا جو مسلمان ہوا تو وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کرم اللہ وجہہ تھے۔ عورتوں میں سب سے پہلے جو مسلمان ہوئیں وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ تھیں۔ مردوں میں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے، وہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ تھے۔ اس کے بعد حضرت زید بن حارث رضؓ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عجیب رنگ کھلنا شروع ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا "اے میرے نبی، اب کھُل کے تبلیغ شروع کی جائے۔ اور لوگوں کو میرے عذاب سے ڈرائیے اور تبلیغ اپنے عزیز و اقارب میں شروع کیجئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کوہِ صفا پر گئے، لوگوں کو اکٹھا کیا،

اُن سے کہا۔"تم مجھے پہنچانتے ہو!" انھوں نے کہا جی ہاں! تم امین ہو، صادق ہو"۔ پھر فرمایا۔" تو پھر سُن لو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر تمھاری طرف بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ میں تمھیں دعوتِ حق دُوں۔ تم شرک اور کفر کو چھوڑ دو"۔ ابولہب کو بڑا غصہ آیا۔ طیش میں آکر کہا۔" کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا ہے یہاں پر ؟"

اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھر اپنے قبیلے کی دعوت کی، اس میں کل چالیس آدمی تھے، اُن کو خطاب کیا لیکن کسی نے حامی نہیں بھری۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ غصّے میں آکے کھڑے ہو گئے اور کہا۔" میں اسلام لاتا ہوں۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی پتلی سی ہیں اور میں چھوٹا ہوں۔ قد چھوٹا ہے، لیکن آپ مجھے اپنا یار و مددگار پائیں گے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہا۔"تم بیٹھ جاؤ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ کہا، کسی نے حامی نہیں بھری۔ سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھر کہا۔"تم بیٹھ جاؤ! تم میرے والی بھی ہو اور تم میرے وارث بھی ہو۔ تم میرے وارث بھی ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا کہ اتنی سختیاں کر دیں، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ساتھ نہیں چھوڑا۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا مکان تھا کوہِ صفا کے نیچے۔ اس کو مرکزِ تبلیغ بنایا گیا۔ اور جب حج کا موقع ہوتا تو قبیلے آتے مکہ میں طواف کرنے کے لئے۔ اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم مختلف قبیلوں کے خیموں میں جاتے، دعوتِ حق دیتے، تو ابولہب پیچھے پیچھے اُن کے جاتا اور کہتا (نعوذ باللہ من ذالک) یہ جھوٹ

بولتا ہے، یہ جادوگر ہے، یہ اپنے جادو کے مطابق کہہ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساتھ ساتھ تھے، ان تین برسوں کے دوران جب قریش والوں نے حقہ پانی بند کر دیا تھا تو وہ ایک دانہ بھی اُن تک پہنچنے نہیں دیتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے کہا کہ "اب نماز کعبہ میں ہوگی۔ میں دیکھوں گا کہ کون روکتا ہے"، اور ایسا ہی ہوا کہ کسی کی ہمت نہیں پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دُعا مانگی تھی۔ اے اللہ! ابوجہل سے یا عمرؓ سے اسلام کو معزز فرما۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا قبول ہوگئی۔

تو اہلِ قریش نے یہ طے کیا کہ یہ جھگڑا ختم نہیں ہوگا۔ جب تک کہ (نعوذ باللہ من ذالک) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام نہ ہو جائے۔ چنانچہ سازش تیار کی گئی۔ میں یہ واقعہ اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقام کا پتہ چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کو یہ مقام عطا نہیں کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی فرمائی کہ "اے میرے حبیب یہ تمھاری جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ خاموشی سے نکل جائیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ یٰسین کی یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے تو سب کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ (سورۃ یٰسٓ آیت ۹)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کسی کو نظر نہ آئے۔ اس لئے کہ سب کی آنکھیں اندھی ہو گئی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حُکم دیا اور فرمایا "میری امانتیں جو ہیں کاروبار کی، جن کی ہیں ان سب کو لوٹا کر تم بھی مدینہ شریف آجانا"۔

آپ دیکھ لیں یہ جو ڈیوٹی ہے، اس کی اہمیت جانیں، اگر آپ کو پتہ ہو کر کہیں لیٹنے سے آپ کی جان جائے گی اور جوانی کا عالم بھی ہو تو کیا آپ خوشی سے لیٹ جائیں گے؟ لیکن حضرت علیؓ خوشی سے لیٹ گئے تھے..... کیوں؟ اس وجہ سے کہ آپ نور اعلیٰ نور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو یہ کہا "میرے اہلِ بیت" تو اہل بیت کی تعریف بھی کی۔ ایک دفعہ سیدہ فاطمہ الزہراؓ کو کمبل میں لیا، پھر حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کو کمبل میں لیا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوپر کمبل ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ سے کہا" اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، اِن سے ساری نجاست دُور کر لے"۔

حضرت علیؓ ساری رات حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بستر پر لیٹے رہے۔ اہلِ قریش نے ایک ترکیب یہ کی کہ اس کارروائی میں ایک قبیلہ کا آدمی نہ ہو سب قبیلے کے نمائندے ہوں۔ چونکہ نعوذ باللہ جب قتل کر چکیں گے تو قصاص کے وقت اتنے قبیلوں سے یہ قصاص کیسے مانگیں گے، سب شامل ہیں۔ جب صبح ہوئی اور مکان پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سو رہے ہیں۔ بس اس پر وہ کھسیانے ہو گئے" پریشان

ہو گئے۔ اطلاعیں بھیجیں۔ دُور دُور تک اُونٹ اور گھوڑے دوڑائے کہ گئے تو کدھر گئے۔ ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ امانتیں پہنچا کر مدینہ شریف کی طرف نکل گئے۔ جب مدینہ شریف پہنچے تو اُس گھر میں گئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقیم تھے۔

مدینہ شریف میں مہاجر اور انصار تھے۔ انصار اُن کو کہا جاتا تھا جو مقامی لوگ تھے۔ مہاجر جو ہجرت کر کے آئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے...... "بھائی چارے" کی رسم متعارف کی یعنی بھائی بنا دیئے مہاجر اور انصار کو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا "تم میرے بھائی ہو اور تمھاری مجھ سے اس طرح نسبت ہے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی"۔

آپ رضی اللہ عنہ کا وقت جو تھا اس میں فتوحات اور ٹھوس کام کرنے کا آپ کو موقع نہیں ملا، کیوں کہ پانچ سال کا جو عرصہ تھا، اس میں بغاوتیں' شورشیں، اِدھر لڑائی، اُدھر لڑائی، ہر طرف فتنے تھے، غرض کہ ساری قوت اسی میں لگی۔ اس کے باوجود بھی آپ کرم اللہ وجہہ نے اسلام کی بہت خدمت کی۔ آپ کی فضیلت کا اس سے اندازہ لگائیے جو کسی اور کو نصیب نہ ہوئی کہ آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی اور شہادت مسجد میں۔ مولانا لوگ کہتے تو ہیں کہ ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی لیکن کبھی بیان Describe نہیں کرتے کہ کعبہ میں کیسے ہوئی، یہ ان کا فرض ہے کہ نہیں؟ Is it not their duty? بس وہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کہنا کافی ہے۔ یہ عالم فاضل ہیں!

عزیزانِ من! سال میں ایک موقع ایسا ہوتا تھا جب کفار وغیرہ آتے تھے طواف کرنے کے لئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں یہ بھی طواف کو گئیں۔ لیکن وہاں اتفاق سے آپ کو دردِ زہ شروع ہو گیا، وہیں کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کے اور بڑی شرمندہ سر نیچے کر کے بیٹھ گئیں۔ اتنے میں آواز آئی "اے فاطمہ رضی اللہ عنہا کعبے کے اندر ہو جاؤ"۔ پھر اچانک دیوار پھٹی اور وہ اندر ہو گئیں اور وہیں ولادت ہوئی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو پتہ چلا تو آپ تشریف لائے۔ آپ ہی نے غسل دیا اور گود میں لیا۔ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا "آنکھ نہیں کھولتا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زبانِ مُبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مُنہ میں دے دی۔ جونہی زبان مُنہ میں دی، فوراً آنکھیں کھول دیں تو یوں آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ساتھ لئے ہوتے تھے۔ آپ کی آپ نے بڑی اعلیٰ تربیت کی۔ چھوٹی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھ گئے اور وحی کے جو کاتب تھے، ان میں آپ بھی ایک تھے، اس قدر قابلیت پیدا ہوئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پیدائش کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غسل دیا، تو آپ فرمانے لگے "علی کو میں آج پہلا غسل دے رہا ہوں اور میرا آخری غسل علی مجھ کو دے گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو غسل دیتے وقت حضور کی مُبارک پلکوں پر پانی کے کچھ قطرے تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مُنہ لگا کر چُوس لئے

آپ فرماتے ہیں "میں نے جب وہ قطرے چوسے تو ایسا معلوم ہوا کہ میرا سینہ سمندر کی طرح چوڑا ہو گیا اور عجیب عجیب علوم میرے اندر اُتر گئے" وہ پانی کے صرف چند قطرے تھے جنھوں نے آپ کے سینۂ مبارک کو سمندر بنا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جتنے بھی غزوے یا جنگیں لڑیں، اُن میں مولائے کائنات نے حصّہ لیا، بدر میں بھی، جو سب سے پہلی جنگ تھی، اس میں بھی آپ نے خوب جوہر دکھائے۔

خیبر کا معرکہ بڑا مشہور ہے مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کی کہ حضور خیبر کا قلعہ فتح نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اچھا، کل میں جس کو جھنڈا دوں گا فتح اس کے نصیب میں ہو گی اور میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ اور رسول دونوں محبّت کرتے ہیں"۔ جو آپ نے فرمایا یہ کتنے غضب کی بات ہے یعنی جس کو اللہ اور رسول دونوں محبت کرتے ہیں۔

آپ کا ایک بچہ ہے جس سے آپ بڑا پیار کرتے ہیں اور اگر میں اس کو پیار کروں تو دنیادار ہو کے آپ کی طبیعت بہت خوش ہو گی یا نہیں کہ میرے بچے کو پیار کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے، جو دو جہاں کے مالک ہیں اگر کوئی اس طرح محبت کرے تو کیا اُسے کچھ نہیں ملے گا؟ حضرات حسنین کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ جنت کے دو پھول ہیں پھر فرماتے ہیں کہ یہ میری بیٹی کے بیٹے ہیں اور میرے بیٹے

ہیں اور پھر فرمایا ''جنھوں نے ان سے محبت کی جنت ان کے لئے واجب ہے اور جنھوں نے میرے اہلِ بیت سے نفرت کی، وہ کبھی جنت کی خوشبو نہ پائیں گے۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق فرمایا ''اے علی! تم سے وہی عداوت رکھے گا جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور جس کو میرے ساتھ دشمنی ہو گی اللہ اس کا دشمن ہوگا۔'' پھر فرمایا ''میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں۔'' پھر فرمایا ''میں حکمت کا شہر ہوں، علی اس کا دروازہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ''جس نے میرے اہلِ بیت کو دُکھ دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا۔'' پھر فرمایا '' اے علی! تم سے وہی دشمنی کرے گا جو منافق ہے۔''

تو سب سے بڑی چیز جو یہودیوں نے ہمارے دلوں سے نکالی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقام تھا' وہ جب نکل گیا تو اُن کے اہلِ بیت کا کیا مقام رہا؟ اور اس کے ساتھ جو ہم پہ قہر گرا وہ یہ کہ ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا، جو اپنے آپ کو شیعانِ علی کہتا ہے۔ انھوں نے اپنے اوپر اہلِ بیت کی محبت کا ذمہ لے لیا تو اہلِ سُنّت والجماعت نے سمجھا کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو شیعہ کہلائیں گے، اتنی بڑی نعمت چھین لی۔ پھر ان کے عقیدے خراب ہونے لگے تبّرا وغیرہ سے اور اس طرح ایک ایسا نیا فرقہ پیدا کر لیا جو آج تک اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے اور بھی فرقے پیدا ہوئے۔

صبح جب ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ علی کہاں ہے؟ کہا حضور ان کی آنکھوں میں درد ہے، سوجن ہے۔ فرمایا بلاؤ اسے، جب

وہ آئے تو پوچھا کیا بات ہے ؛ کہا آشوبِ چشم ہے۔ آپ نے اپنا لعابِ دہن لگایا تو آنکھیں ایسی ہوگئیں جیسے کبھی خراب ہوئی ہی نہیں تھیں۔ پھر آپ نے جھنڈا ان کے سپرد کیا اور فرمایا جاؤ خیبر کو فتح کرو۔ مولائے کائنات جب گئے تو بڑا زبردست معرکہ ہوا۔ جب یہودیوں کا خان خان آیا تو آپ نے ایک ہی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر آپ آگے بڑھے اور خیبر کا جو دروازہ تھا اسے اکھاڑ کے پھینک دیا۔

یہاں میں ایک واقعہ سُنانا چاہتا ہوں۔ ایک دن مولائے کائنات مسجد میں سُوکھی روٹی کھا رہے تھے، جو بڑی مشکل سے کھا رہے تھے، ایک صحابی بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے "یا امیر المومنین! ایک تو ہم نے آپ کی وہ شان دیکھی کہ آپ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ دیا اور یہاں یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ روٹی نہیں چبا سکتے"۔ آپ مسکرائے اور کہا "یہ علیؓ کی طاقت ہے جو تم دیکھ رہے ہو، وہاں محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم کی طاقت کا جلوہ تھا"۔

یہ ایسی لطیف باتیں ہیں اگر آپ زندگی میں ان کا مطالعہ کریں تو بڑی بڑی بہاریں کھلیں گی جس سے محبت پیدا ہوگی، پھر مدینہ کی فضائیں اور ہوائیں مہکتی ہوئی محسوس ہوں گی۔ لیکن اگر کوئی کسی کو یاد ہی نہ کرے تو محبت کیسے پیدا ہوگی۔ مثلاً ایک دوست دوسرے دوست کو خط ہی لکھ دے۔ تو وہ کتنا خوش ہوگا اور پھر وہ کتنا پیارا جواب دے گا تو یہ آپ کی جو محبت ہے، یہ جو آپ سلام بھرتے ہیں، ذکر تذکرے جو ہیں، یہ آپ کی طرف سے نامہ ہائے محبت ہی ہیں۔ جیسے ہی آپ کے محبت نامے وہاں پہنچتے ہیں

توآپ کے نام وہاں لکھ دیئے جاتے ہیں اور محبت نامہ کے مطابق آپ کو انعام دیا جاتا ہے۔ آپ کے گھروں کو برکتیں عطا ہوتی ہیں۔

تو یہودیوں نے شیعوں کو یوں گھسیٹر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سُنّی یہ سمجھنے لگے کہ اہلِ بیت سے جو محبت کرے وہ شیعہ ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جو ہمارے چار اماموں میں سے ایک ہیں بہت بڑے امام ہو گزرے ہیں۔ انھیں پنجتن پاک سے بڑی محبت تھی اس لئے وہ اُن کی بڑی مدح کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بارے میں شبہ ہو گیا کہ یہ شیعہ ہیں تو آپ نے فرمایا "قسم ہے پروردگار کی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کی آل سے محبت کرنا شیعہ ہے تو میں ہزار بار شیعہ ہوں"۔

میں نے دیکھا کہ جس گھر میں پنجتن پاک کا ذکر ہو یا فاتحہ دلائی جائے اُس گھر میں پریشانیاں دُور ہوتی ہیں اور عزت نہیں آتی۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ جوان ہوئے تو ادھر حضرت سیّدہ فاطمتہ الزہرؓا بھی جوان ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کے لئے پیغام بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنا کہا کہ "میں اللہ کے فیصلے کا منتظر ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پیغام آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہی جملہ دہرایا کہ "میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا منتظر ہوں"۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق کہا گیا تو آپ نے فرمایا "مرحبا مرحبا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پیاری بیٹی سے معلوم کیا۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں قبول ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اے بیٹی، میں نے

دُنیا میں جو بہتر بن مرد ہے، وہ تمہارے لئے چُنا ہے"۔ غور کریں آپ ....!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا "تمہارے پاس کچھ ہے؟"

آپ نے جواب دیا "ایک گھوڑا ہے اور ایک زرہ ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "گھوڑا تو جہاد کے لئے ضروری ہے، کام آئے گا، زرہ بیچ ڈالو"۔ وہ زِرہ جو تھی وہ ۴۸۰ درہم یا ۵۰۰ درہم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لے لی۔ اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلال کو کہا "جاؤ خوشبو لے آؤ"۔ پھر اسی میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ولیمہ بھی دیا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ "ابھی تک جتنے ولیمے ہوئے اس سے بہتر ولیمہ نہیں دیکھا"۔

آج ولیمہ پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت جب ایک عورت نے دیکھا مہر کے متعلق آپ بیان کر رہے تھے کہ اتنا ہونا چاہیئے، تو اس عورت نے کہا "اے عمر رضی اللہ عنہ! خدا سے ڈر، جس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع نہیں کیا، تم کیوں منع کرتے ہو"۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ ایک عورت بھی مجھ سے زیادہ فقہ کا علم رکھتی ہے اور اس نے مجھے صحیح کر لیا"۔ پھر آپ نے کہا ٹھیک ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا، ایک چادر، ایک بستر، دو گھڑے مٹی کے اور ایک مشکیزہ دیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوا تو ان چیزوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا حالانکہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم بادشاہ ہو چکے تھے۔ سلطنت قائم ہو چکی تھی، بیت المال تھا لیکن ان سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، کام کرتے کرتے اُن کے ہاتھوں میں چھنگیاں پڑ گئی تھیں۔ ایک دن انھوں نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس بارے میں کہا تو آپ نے فرمایا کہ ”آپ اپنے والد کے پاس جائیں، کچھ مالِ غنیمت آیا ہے، اس میں لونڈیاں بھی ہیں، ایک لونڈی کے لئے آپ جا کے کہیں“۔

جب آپ گئیں تو وہاں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ نے شرم کے مارے کچھ نہیں کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن اُن کے گھر گئے اور پوچھا ”بیٹی تو آئی تھی، کیا بات تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بڑی محبت تھی، جب آپ آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے۔ سینے سے لگاتے تھے اور فرماتے تھے“ اے فاطمہ! تمھارے اندر سے مجھے جنت کی خوشبو آتی ہے“۔

اور حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کو روزانہ دیکھنے جاتے تھے اور ان سے جب تک کھیل نہ لیتے، پیار نہ کرتے اس وقت تک آپ واپس نہ آتے۔

آپ نے کہا یہ بات ہے، میری حالت آپ دیکھیں، میں تھک جاتی ہوں سُنا ہے کہ مالِ غنیمت آیا ہے، اگر ایک لونڈی مجھے بھی عطا ہو جائے“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے ”بٹیا“ مجھے تمھاری تکلیف کا احساس ہے۔ مگر وہ معرکۂ بدر کے جو یتیم ہیں، اُن کا حق زیادہ ہے۔ بس تمھیں یہ بتا دیتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور رات کو سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ،

اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر کے ہاتھوں پہ پھونک دیں اور ہاتھ جسم پر پھیر دیں، جسم تھکن سے پاک ہو جائے گا۔" آپ نے اسی پر عمل کیا۔

ازدواجی زندگی میں صرف تین چار ہی ایسے موقعے آئے جس میں آپ دونوں کے درمیان تھوڑی سی رنجش ہوئی۔ یہ فطری چیز ہے۔ ایک دفعہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں جس کے تھوڑی دیر بعد مولائے کائنات بھی آئے۔ جب آپ نے اُن کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے فاطمہؓ! یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، ورنہ میں نے دُنیا میں جو بہترین مرد ہے وہ تمھیں شوہر کے طور پر دیا ہے۔" ایک دفعہ اور ایسا ہوا۔ تیسری دفعہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ پوچھا "علیؓ کہاں ہیں؟" پھر آپ نے فرمایا۔ "میرا علی کہاں ہے؟" حضرت فاطمۃ الزہرؓ نے جواب دیا۔ "جی معلوم نہیں، کچھ رنجش سی ہو گئی ہے اور اُن کو بُری لگی، اس لئے وہ چلے گئے ہیں۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھونڈا تو دیکھا، آپ مسجد میں اوندھے لیٹے ہوئے ہیں اور مٹی لگی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پیار سے مٹی جھاڑنی شروع کی اور بار بار یہ کہتے رہے۔ "اُٹھو مٹی کے باپ! یعنی ابوتراب اُٹھو۔" اس کے بعد مولائے کائنات کھڑے ہو گئے۔ اس دن کے بعد آپ ابوتراب مشہور ہو گئے۔ پھر زندگی بھر یہ ابوتراب کا جو خطاب تھا وہ آپ کو اتنا پسند تھا کہ کوئی آپ کو اس طرح پکارتا تو آپ گلاب کی طرح کھِل اُٹھتے۔ افسوس یہ ہے کہ لوگوں نے آپ کی صحیح قدر نہیں کی۔ اصل میں حرمین

شریفین میں خون بہانا جائز نہیں، نہ شکار کرنا۔

حضرت عثمانؓ کا جب واقعہ ہوا تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا، کچھ لوگ یہاں بھی جو آپ کے ساتھ تھے، ان میں کوفہ کے لوگ زیادہ تھے تو آپ نے دارالخلافہ کوفہ منتقل کر دیا، لیکن وہاں جا کے دیکھا کہ اُن لوگوں میں منافقت زیادہ ہے، آپ کے کچھ خطابات بھی ایسے ہیں جن میں ان پہ لعن طعن کی گئی۔

آپ کی حالت یہ تھی کہ ایک دفعہ آپ نے امیرالمومنین ہو کے ساری رات کنواں چلایا اور صبح آپ کو اس کے بدلے بیس ستو ملا۔ آپؓ نے گھر آ کے حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے کہا۔ ⅓ حصہ ستو کے پکاؤ۔ جب وہ تیار ہو گیا تو ایک غریب آدمی آیا اور اس نے سوال کیا، آپ نے وہ سارے ستو اُس کو دے دیئے اور پھر فرمایا یہ ایک حصہ اور بناؤ۔ وہ جب بنا کے رکھا تو ایک دوسرا سائل آ گیا۔ آپ نے وہ اس کو دے دیا۔ اب ایک حصہ رہ گیا تو آپ نے فرمایا اسے بھی پکاؤ۔ اور جب وہ پک چُکا، تو ایک مُشرک آیا، بہت بھوکا تھا۔ آپ نے ستو کا آخری حصہ اس کو دے دیا۔ یہاں میں ایک مسئلہ آپ کو بتا دُوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی کافر یا مشرک اگر بھُوکا ہے تو اس کا بھی پیٹ بھرو اور صدقہ دو۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت امام حسنؓ کے مکان پر ایک سائل آیا تو اس وقت آپ کے پاس کچھ فتوحات آنی تھیں۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ "انتظار کرو! جب فتوحات آئیں گی تو پیش کر دیں گے"۔ چنانچہ جب فتوحات آئیں تو اس سائل کو پیش کر دیں۔ آدمی بڑا خوش

ہوا اور کہا" اب میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ سچے اہلِ بیت ہیں۔ یہ اہلبیت کے سوا کوئی عام بندہ نہیں کر سکتا"۔ پھر اُس نے کہا ایک بات میں عرض کروں آپ نے کہا" کرو"۔ کہنے لگا" اُس مسجد میں ایک فقیر بیٹھا رہتا ہے، بیچارہ بھُوکا رہتا ہے۔ کچھ اس کا بھی خیال کریں"۔ اس پر آپ رونے لگے، آپ نے کہا" اے شخص! وہ جو مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہ میرے والد صاحب ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ وہ میدانِ تسلیم و رضا کے شہسوار ہیں۔ اُن کو فقر و غنا کی پرواہ نہیں"۔

ایک دفعہ آپ نے لوگوں کو کہا" تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر طعن کرتے ہو، تم مجھ سے پوچھو جو پوچھنا ہے، میں بتاؤں گا آسمانوں اور زمینوں میں، جو چیز تم چاہو"۔ تو ان میں سے ایک شخص اُٹھ کے کہنے لگا" اچھا، جو تم نے دعویٰ کیا ہے، تو مجھے یہ بتاؤ کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے کہا" پروردگار کی قسم! جب میں ایک سجدہ کرتا ہوں تو اس وقت تک دوسرا سجدہ نہیں کرتا جب تک میں اپنے رب کو نہیں دیکھتا"۔ پھر آپ نے جذب میں فرمایا" مجھ سے آسمانوں کے راستے پوچھو! میں ان سے اس طرح واقف ہوں جس طرح زمین کے راستوں سے"۔

آپ کے پاس اتنا علم معرفت تھا کہ کسی اور صحابی کو عطا نہیں ہوا۔ فضائل و مناقب اپنی جگہ، پانی کے ان قطروں کو یاد کرتے ہوئے، جو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکوں سے چوُسے تھے، آپ نے فرمایا کہ

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا سینہ سمندر کی طرح چوڑا ہو گیا اور علوم کے ذخائر جمع ہو گئے ہیں۔" ایک دن آپ نے جذب میں آ کے کہا "اگر میں چاہوں تو صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر جائیں۔" اشارہ ان ذخائر کی طرف تھا جو آپ کے سینہ میں تھے۔

ایک دفعہ آپ کو تیر لگا، اس کی تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ جب اسے نکالنے کے لئے کوشش کی جاتی تو آپ کو شدید درد محسوس ہوتا، پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا "گھبرانے کی بات نہیں، جب میں نماز کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو تیر نکال لینا۔" چنانچہ جب آپ نماز میں کھڑے ہو گئے تو آرام سے تیر نکالا گیا۔ اور آپ کو پتہ بھی نہیں چلا۔ یہی ہیں وہ لوگ جو کہہ سکتے ہیں "تیری دید میری نماز۔"

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم غزوہ سے واپس آئے تو تھکے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے۔ "اے علی! میں تھکا ہوا ہوں۔" کہا۔ میری جان آپ پر قربان، میں بیٹھتا ہوں، آپ میرے زانوں پر سر مبارک رکھ کر نیچے اور آرام سے سو جائیے۔" شدہ شدہ عصر کی نماز قضا ہو گئی، وقت گزر گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی!" اور دوسری جگہ فرمایا "جس نے رسُول کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔" جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھ کھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولائے کائنات کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو فرمایا۔ "اے علیؑ! کیوں روتے ہو؟" کہا۔ حضور "عصر کی نماز قضا ہو گئی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "تو نے مجھے جگا دینا

تھا، کہا "نہیں! یہ میں کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ کہ حضور کے آرام میں خلل ڈالوں"۔ اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے آسمان کی طرف دیکھا اور دُعا فرمائی تو آپ کی دُعا کی برکت سے سوُرج عصر کے وقت پر واپس آگیا اور مولائے کائنات نے عصر کی نماز پڑھ لی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مولائے کائنات سے بےحد پیار تھا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "جو علی کی پیروی کرے گا وہ ہدایت پائے گا، یہ ہدایت یافتہ ہیں"۔ ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ تم اس کو امیر نہیں بناؤ گے"۔ یہ بات نہیں کہ کوئی چیز چھپی ہوئی تھی۔ جتنے واقعات تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں بیان فرما دیئے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا واقعہ یوں ہے کہ ایک حرامی، ابنِ ملجم آپ کو شہید کرنے کی نیت سے آیا تھا، خفیہ پولیس نے بھی اطلاع دی کہ حضور اس شخص کے ارادے اچھے نہیں، یہ آپ کو شہید کرنا چاہتا ہے۔ آپ خاموش رہے۔ اس جملہ کو دو تین بار دہرایا گیا، آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم چاہتے ہو کہ اسے قتل کروا دُوں جب کہ اس نے ابھی قتل بھی نہیں کیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس شخص کو قتل کرا دوں"۔

آپ اگر اس بات کو لنک (Link) کریں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضؓ کے معاملہ میں بھی یہی فرمایا تھا۔ آپ

نے فرمایا تھا کہ "جب تک یہ ثبوت ہی نہ ہو کہ قاتل کون ہے، میں کیسے ہاتھ ڈالوں؟" آپ نے فرمایا کہ "تم یہ چاہتے ہو کہ جس نے ابھی قتل ہی نہیں کیا ہے، میں اس کو سزا دوں"۔

چنانچہ آپ جب نماز پڑھ رہے تھے تو اُس خبیث نے آپ پر وار کیا۔ آپ کا سر پھٹ گیا۔ آپ نے صرف اتنا فرمایا۔ "پروردگار کی قسم! علی اپنی مُراد کو پہنچا"۔ اور پھر فرمایا۔ "میرا جو قاتل ہے اس سے سُلوک نرم کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے قتل کر کے اس کے ٹکڑے کرو۔ مسل ڈالو، یہ نہیں کرنا۔ اگر قصاص (دیت) لینا ہو تو زیادہ قصاص (دیت) نہ لو۔ تھوڑا قصاص (دیت) لینا"۔ خیر! اس کے ایک رات بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق کوفہ کے پاس جو قبرستان ہے وہیں آپ کو دفنایا گیا۔

جب آپ پر وار ہو گیا تو حضرت امام حسن علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت حیات تھے، یعنی ابھی جان باقی تھی۔ لوگوں کے ہجوم نے کہا۔ "کیا حکم ہے؟ خلیفہ بنانے کے لئے، شہزادہ حضرت امام حسن علیہ السلام موجود ہیں۔ آپ نے کہا۔ "میں کچھ نہیں کہتا۔ جس کی مرضی ہو اس کو بناؤ، یہ تمہارا اختیار ہے۔ اسے تم ہی استعمال کرو، میں اس میں کچھ نہیں کہتا"۔

اللہ تعالیٰ اُن کے مراتب میں اور ترقی دے۔

آمین